لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۵ ۱۰ اگست ۱۹۸۸ء مطابق ۲۶ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ شمارہ ۱۹

اداریہ

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ہندوستانی مسلمانوں کا منصب و مقام

ادھر کچھ عرصے سے ہمارے بعض اہل قلم ہندوستانی مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لئے راضی اور اس پر قانع ہو جائیں دوسرے درجہ کا شہری ہونے پر قناعت کریں، پارسیوں اور واڑیوں کی طرح زندگی گذاریں، یہ طرز فکر و رجحان اس قوم کے لیے جو امت دعوت ہے اور اقوام عالم میں تنہا وہ امت ہے جو فلاح انسانیت کا پیغام و دعوت رکھتی ہے نہایت خطرناک اور نا عاقبت اندیشی پر مبنی ہے اس سلسلہ میں ہم ہندوستانی مسلمانوں کے مقام و منصب اور ان کی صحیح حیثیت سے متعلق حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ایک تحریر پیش کر رہے ہیں جو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے راہ نما خطوط کی حیثیت رکھتی ہے۔

جہاں تک کسی ملک میں مسلمانوں کے رہنے، وہاں ان کی حیثیت اور ان کے فرائض منصبی کا سوال ہے تو تاریخ اسلام کے طویل سلسلہ اور فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں اس کے دو نمونے ملتے ہیں، پہلا نمونہ یہ ہے کہ مسلمان حاکمانہ حیثیت میں ہوں اور وہ ملک اسلامی حکومت کے زیر اقتدار ہو، جیسا کہ خلافت راشدہ کے بعد رومی و ایرانی شہنشاہیاں اور ان کے ممالک مسلمانوں کے زیر نگیں آئے اور مسلمان جزیرۃ العرب سے لے کر مراکش تک پھیل گئے، انہوں نے افریقہ کی پوری شمالی مغربی پٹی فتح کر لی اور اس سے آگے سمندر کو عبور کر کے یورپ کے ملک اسپین پر قابض ہو گئے، اس حیثیت کے متعلق صریح احکام ہیں، قرآن مجید کے اشارات ہیں، ہدایات ہیں، صحابہ کرامؓ کا طرز عمل ہے اور عقل سلیم کا فیصلہ ہے کہ ایسے موقع پر مسلمانوں کا منصب کیا ہے، مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اور کس طرح ان کو زندگی گذارنی چاہئے، ان کے علماء کو کس طرح ملت کی قیادت کرنی چاہئے، ان کے داعیوں و مصلحین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے علماء و فقہاء اور مقننین کو مسائل کس ڈھنگ سے سلجھانے چاہئیں؟ اور ان کے مصنفین و مؤلفین و مفکرین کا طرز فکر اور اسلوب کیا ہونا چاہئے یہ بات واضح ہے اور اس کے لیے پورا تاریخی ریکارڈ موجود ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مسلمان کسی جگہ مختصر و محدود اقلیت میں ہوں وہ اس ملک کے حالات پر مطلقاً اثر انداز نہ ہو سکتے ہوں، ان کا ملک کے نظم و نسق میں کوئی حصہ نہ ہو، وہ خالص محکومانہ زندگی گذار رہے ہوں، اس کے لیے بھی کتابوں میں فقہ و شریعت کے احکام موجود ہیں۔

لیکن ہندوستان میں ہماری نوعیت اس وقت دونوں سے مختلف ہے اور وہ بڑی فکر انگیز، اجتہاد طلب، اعلیٰ ذہانت، حقیقت پسندی اور سخت جدوجہد کی طالب ہے، اور اس سے بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، یہاں ہم اقلیت میں تو ضرور ہیں لیکن وہ اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اکثریت کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے اور اس کو اقلیت کہنا بھی صحیح نہیں، بلکہ اس کو "ملت" کہنا چاہئے، ہم یہاں کم سے کم پندرہ کروڑ کی تعداد میں ہیں، بہت سی خالص اسلامی مملکتوں میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہیں ہیں، کوئی اسلامی ملک تیس لاکھ کا ہے، کوئی چالیس پچاس لاکھ کا ہے، کوئی دو کروڑ کا ہے، کوئی چار پانچ کروڑ تک کا ہے، انڈونیشیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ہے لیکن وہ بھی تیرہ کروڑ ساڑھے تیرہ کروڑ سے زیادہ نہیں ہے، لیکن ہم یہاں پندرہ کروڑ یا اس سے زائد تعداد میں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ملک جمہوری "Democratic State" ہے، اس ملک کی سیاست میں ہمارا حصہ ہے،

نگران اعلیٰ
مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

خط و کتابت کا پتہ
نیجر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳
ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔
انڈیا

زر تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے
ششماہی : پچیس ۲۵ روپے
فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر
افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر
یورپ و امریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے، چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں

تیسری قسط

تفسیر سورۂ فاتحہ

سید صہیب حسنی ندوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۝ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (آمین)

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے جہاں کا، بے حد مہربان نہایت رحم والا، مالک روز جزا کا، تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں، اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں، بتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا، جن پر تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے (آمین) ——— (معارف القرآن)

(الحمد للہ) عربی زبان میں حمد کے معنی اچھی صفتیں بیان کرنے کے ہیں، اس جگہ "الحمد" پر جو الف لام ہے وہ الف لام استغراق اور جنس دونوں کا ہو سکتا ہے تو، اس لحاظ سے "الحمد للہ" کے معنی ہوں گے حمد و ثنا اور تعریف میں جو کچھ اور جیسا کچھ بھی ہو سکتا ہے، وہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے اس لئے کہ خوبیوں اور کمالات میں سے جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی ذات بابرکات سے ہے اور اسی میں ہے۔

"حمد" کا جو مقام و درجہ ہے، وہ مدح و شکر سے بڑھا ہوا ہے، لفظ شکر کسی متعین نعمت ہی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور لفظ مدح میں ممدوح کی خوبیوں اور صفتوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری نہیں لیکن "حمد" ہی ایسی چیز ہے جو عام اختیاری خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر کی جاتی ہے۔

علامہ قرطبیؒ نے "الحمد" کے معنی بتلاتے ہوئے فرمایا: "فی کلام العرب معناہ الثناء الکامل"

کلام عرب میں حمد کے معنی، اچھی ثنا خوانی اور بہترین تعریف کے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ شروع کرتے ہوئے "الحمد للہ" بندوں کی زبانی نہیں کہلوایا بلکہ "الحمد للہ" ذکر کیا اسلئے کہ الحمد للہ میں بڑی فصاحت و بلاغت جھلکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر "احمد اللہ" ذکر فرماتا، تو اس سے صرف یہ معلوم ہوتا کہ اس لفظ کا کہنے والا حمد و ثنا کا مستحق ہے، لیکن الحمد للہ کا لفظ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حمد کرنے والوں کی حمد اور شکر کرنے والوں کے شکر سے پہلے بھی سراپا حمد و ثنا تھی، اس کے حق میں یہ برابر ہے کہ لوگ اس کی حمد و ستائش بیان کریں یا نہ کریں اور یہ کہ اس کی ذات بابرکات ازل سے لے کر ابد تک سراپا محمود اور حمد و ستائش کے لائق ہے۔

"الحمد للہ" سے اس پر بھی دلالت ہوتی ہے کہ حمد و ستائش اور تعریف و توصیف کا حقدار صرف اللہ عز و جل ہے اور اس کے علاوہ کسی کی حمد و ستائش زیبا نہیں۔ اگر احمد اللہ ہوتا تو اس سے یہ پتہ نہ چلتا کہ وہ بذات خود حمد کا مستحق ہے حقدار ہے۔

"الحمد للہ" یہ سب سے پہلا کلمہ ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا، اور یہی کلمہ جنتیوں کی آخری پکار ہوگی، جیسا کہ قرآن کریم نے خود ذکر کیا۔ وآخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمين

اور جنتیوں کی آخری پکار اور ندا الحمد لله رب العالمين ہوگی۔

(اللہ) قرآن کریم نازل ہونے سے پہلے عربی میں "اللہ" کا لفظ بطور اسم ذات کے مستعمل تھا جیسا کہ جاہلی شعراء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

"اللہ" کا لفظ خدا کے لئے اسم ذات کی حیثیت سے ہے اس لئے لفظ اللہ کا اطلاق کسی بھی ہستی پر نہیں ہو سکتا، لفظ "اللہ" فارسی کے "خدا" اور انگریزی کے God کی طرح اسم نکرہ نہیں کہ معبود واحد کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی بولا جا سکتا ہو "اللہ" کے لفظ کی نہ جمع آتی ہے اور نہ تثنیہ اور کسی لفظ سے مشتق بھی نہیں اور اس کا ترجمہ کرنا بھی کسی زبان میں ممکن نہیں ہے۔ علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اس کو اپنے الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

"لم یسم بہ" (اللہ) غیرہ تبارک و تعالیٰ ولهذا لا يعرف في كلام العرب له اشتقاق من فعل يفعل"

اللہ رب العزت نے حمد کے بعد چار صفتیں بالترتیب بیان فرمائی ہیں۔

رب العالمین
الرحمن
الرحیم
مالک یوم الدین

(رب العالمین) عربی زبان میں "رب" کے معنی پالنے کے ہیں لیکن اس سے عام طرح کا پالنا مراد نہیں بلکہ یہ پالنا اپنے اندر وسیع اور کامل معنی لئے ہوئے ہے اس لئے بعض ائمہ لغت نے "رب" کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے۔

ھو انشاء الشئ حالاً فحالاً الی حد التمام" یعنی کسی چیز کا یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس طرح نشو و نما دیتے رہنا کہ وہ اپنی کمال کی حد تک پہونچ جائے۔

اور علامہ بیضاوی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں اس کی اس طرح تعریف کی ہے۔ وھی تبلیغ الشئ الی کمالہ شیئاً فشیئاً۔ ایک چیز کو اس کے حد کمال تک کشاں کشاں پہونچانا۔

"رب" کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے قریب ترین لفظ "مربی" کا ہو سکتا ہے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "رب" کا ترجمہ "مربی" ہی کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے "الحمد للہ" ذکر کیا پھر "رب العالمین" ذکر کیا، یہ واضح اور بیان کرنے کے لئے کہ "عالمین" کا رب کوئی معمولی ذات نہیں ہے بلکہ وہ ایسی ذات ہے، جو سراپا حمد و ستائش ہے اور عالم کا وجود بھی اسکی حمد و ثنا سے ہوا ہے، اور عالم کا ذرہ ذرہ اس کی تعریف و تمجید میں لگا ہوا ہے، اور جنتیوں کی آخری پکار بھی "الحمد للہ" ہوگی وآخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمين" تو جب اللہ کی ذات ازل سے لے کر ابد تک اور ہمیشہ ہمیش کے لئے سراپا حمد و ستائش ہے، تو پھر اسی کی ذات "رب العالمین" کی بھی مستحق ہے۔

"رب العالمین" کا لفظ لا کر گویا قرآن کریم نے یہ بتلا دیا کہ ہر صنف موجودات کا ایک مستقل نظام تربیت ہے۔ اور ہر صنف کا آخری سرا اسی قادر مطلق واحد و یکتا کے ہاتھ میں ہے، کوئی بھی صنف موجودات اس کے ہمہ گیر، عالمگیر نظام تربیت و ربوبیت سے خارج اور آزاد و مستثنیٰ نہیں ہے۔

"رب العالمین" سے یہ بھی تعلیم ملتی ہے کہ اسلام کا خدا کسی مخصوص نسل، مخصوص گروہ، مخصوص قوم اور مخصوص قبیلہ و خاندان کا نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا وہی ہے اور نمرود لعین کا بھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے اور فرعون ملعون کا بھی وغیرہ وغیرہ

(الرحمن الرحیم) یہ دونوں لفظ "رحم" سے مشتق ہیں، عربی زبان میں "رحمت" عواطف کی ایسی رقت و نرمی اور گداز کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لئے احسان و شفقت کا جذبہ موجزن ہو اور مہربانی کا ارادہ جوش میں آجائے۔

لفظ "رحمن" میں شان کرم کا عموم ہے۔ مومن و کافر دونوں کے لئے اور یہ عموم دنیا میں ظاہر ہو رہا ہے، اور لفظ "رحیم" میں تجلی رحمت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے، اس لئے اس کا پورا ظہور آخرت کی زندگی ہی میں ہوگا اور یہ بات اس حدیث پاک سے ظاہر ہوتی ہے جس کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔ الرحمن رحمن الدنیا والرحیم ۔۔ رحیم الآخرۃ

"الرحمن" کو "الرحیم" پر کیوں مقدم کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ "الرحمن" ایسا لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی دوسرے کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں، لیکن "رحیم" کا لفظ ہے، اللہ اور بندوں دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

(مالک یوم الدین) شہنشاہیت و ربوبیت اور رحمت

اس ملک کی قانون سازی میں ہمارا حصہ ہے ہمارے لیے یہاں پورا موقع ہے کہ ہم ملک کے انتظامیہ (Administration) کو نہ صرف یہ کہ متاثر کریں بلکہ اس کو نئی شکل دینے اور ملک کو بہتر سے بہتر انتظامیہ مہیا کرنے میں ممد و معاون بلکہ بعض اوقات فیصلہ کن ثابت ہوں، ہم پلاننگ کا بھی کام کر سکتے ہیں اور اس ملک میں قانون سازی ہم کو نظر انداز کر کے رہ نہیں سکتی اگر مسلمان اپنے شہری حقوق کا صحیح، جرأتمندانہ و آزادانہ استعمال کریں تو ایوان قانون ساز (Parliament) انتظامیہ (Administration) اور حکومت کرنے والی پارٹی (Ruling Party) کسی طرح مسلمانوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی وہ مسلمانوں سے مستغنی نہیں رہ سکتی، اور مسلمان چاہیں تو اس پر انقلاب انگیز اثر ڈال سکتے ہیں اور اس کی ہیئت کذائی بدل سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس ملک میں ہم تنہا وہ "ملت" ہیں جو خدا کا واضح پیغام رکھتی ہے جو آخری آسمانی محفوظ کتاب کی حامل ہے، اسیرۂ نبوی کی دولت اس کے پاس ہے، نوع انسانی کے لیے رحمت و ہدایت کا عظیم سرمایہ، اسوۂ نبوی، حیات صحابہ، اور مثالی و معیاری انسانوں کے کردار و عمل کا عظیم ذخیرہ (ریکارڈ) موجود و محفوظ ہے، وہ اس سیرت اور طرز زندگی کا عملی مظاہرہ کر سکتے ہیں اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کی ہدایت کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں،

یہ وہ ملت ہے جس کے پاس ہر عہد میں کسی ڈوبتے ہوئے معاشرہ کو کسی بجھتے ہوئے چراغ کو کسی برباد ہوتے ہوئے ملک کو کسی رو بزوال نہیں بلکہ جاں بلب ملک یا معاشرہ کو بچا لینے والا پیغام رہا ہے، اس نے پہلی اور دوسری صدی ہجری (ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی) میں رومی، ایرانی اور وسط ایشیا کے برسر اقتدار ترکستانی معاشرہ کو (جو زیادہ دنوں تک باقی رہنے اور قیادت کرنے کی صلاحیت کھو چکا تھا، اور جس کی ظاہری چمک دمک اور فربہی صحت و توانائی کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ وہ ایک غیر طبعی فربہی اور متورم جسم کی علامت تھی) اور ساتویں آٹھویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں نیم وحشی اور خون آشام چینی و ترکی نسل کی تاتاری قوم کو ایک نیا دین و عقیدہ، مقصد زندگی، روحانیت، ترقی یافتہ تہذیب و ثقافت، جامع و مکمل معاشرتی تمدنی و انتظامی قانون اور نو بنو علوم و آداب دے کر ایک نئی زندگی و توانائی قیادت و رہنمائی کی صلاحیت اور عالمی پیمانہ کی افادیت و امتیاز عطا کیا اور ان کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر دی اور انہیں کی ایک شاخ عثمانی ترکوں کو جنہوں نے ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں اسلام قبول کیا اور اسلام لاتے ہی ان میں بیداری، نئی زندگی اور حوصلہ مندی پیدا ہوئی، ایشیائے کوچک اور یورپ میں ایک بڑی سلطنت (سلطنت عثمانیہ) کا بانی بنا دیا، جس نے کچھ عرصہ کے بعد خلافت اسلامی کی ذمہ داری بھی سنبھال لی اور حرمین شریفین و مقامات مقدسہ کی محافظ و پاسبان اور شوکت و عظمت اسلامی کا نشان بن گئی۔

یہ وہ ملت ہے جو ڈوبتے ہوئے سفینہ کو ساحل تک پہونچا سکتی ہے اور کسی گرتے ہوئے معاشرہ کو جو زمین میں بالکل دھنس رہا اور دلدل میں پھنس رہا ہے اور جو خودکشی و خود سوزی پر آمادہ ہے بچا سکتی ہے، اس لیے کہ اس کے پاس وہ کتاب الٰہی ہے، اس کے پاس وہ اسوۂ نبوی ہے اس کے پاس وہ ایمان موجود ہے جو اس کو خالص دولت پرست، طاقت پرست، اقتدار پرست اور مادہ پرست بننے سے روکتا ہے، یہ تنہا وہ ملت ہے، جس کو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا یقین ہے، اس پر غفلت کے چاہے کیسے ہی اور کتنے ہی دبیز پردے پڑیں اس پر خود فراموشی کے کتنے شدید دورے پڑیں، اس کے دلوں کے اندر اس بات کا شعور باقی ہے کہ اس کو خدا کے سامنے جانا ہے، اللہ کے رسول کو منہ دکھانا ہے اور اپنی زندگی کا حساب کتاب پیش کرنا ہے وہاں نہ عزت کام آئے گی نہ دولت، نہ طاقت کام آئے گی نہ اقتدار، نہ ذہانت کام آئے گی نہ علم، اگر کام آئے گا تو خدا کا خوف کام آئے گا، احساس فرض، سچی عبودیت اور بے لوث خدمت خلق کام آئے گی، ایمان اور عمل صالح کام آئے گا۔

میرے محدود مطالعہ میں اس ملت کی حیات اور اس کے طویل سفر اور تجربوں میں یہ بالکل انوکھی مثال ہے کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں، ہم عظیم ترین اقلیت میں ہیں، یہ اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اگر وہ اپنی امتیازی صلاحیت کا ثبوت دے اکثریت سے زیادہ محنت سے کام کرے اور اپنی اہلیت و افادیت، اپنے خلوص و صداقت کا مظاہرہ کرے تو وہ قیادت کا مقام بھی حاصل کر سکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو کم از کم ملک کا رخ تبدیل کر سکتی ہے اور صاحب اقتدار جماعت کو اپنی ضرورت و افادیت تسلیم کرنے پر مجبور کر سکتی ہے پھر اس کے ساتھ اس میں حقیقی زندگی کی وہ رمق باقی ہے (میں اس کو زندگی کی رمق ہی کہوں گا) جو دنیا کی اکثر ملتیں کھو چکی ہیں، روحانی حیثیت سے، ایمانی حیثیت سے اور احتساب نفس کے لحاظ سے وہ ملتیں اس آخری اخلاقی شعور اور ضمیر کی زندگی و بیداری سے محروم ہو چکی ہیں، جس کو زندگی کی رمق کہا جانا چاہیے، یہ ملت اپنی ساری کمزوریوں کے ساتھ اس رمق کی محافظ ہے۔

ایسی حالت میں اس ملت کے علماء کی، علوم دینیہ کے اہل نظر و اہل فکر ماہرین کی، ملت کے بے لوث و بالغ نظر قائدین کی، اس ملک، اس عہد اور اس ماحول میں ذمہ داری اتنی عظیم، اور عظیم ہونے کے ساتھ اتنی نازک اور اتنی پیچیدہ ہے کہ اس کا تصور اس سے پہلے کسی ملک میں کرنا مشکل تھا، پندرہ کروڑ کی تعداد میں مسلمان ایک ایسے ملک میں موجود ہیں جو لرزہ خیز مصائب اور ہوش ربا مسائل سے دوچار ہے جہاں عرصہ سے انسان سازی کا، اخلاق و کردار کے بنانے اور ان کو توانائی بخشنے کا، دولت کی کشش اور مادیت کے سحر کا مقابلہ کرنے والی اخلاقی و روحانی طاقت پیدا کرنے کا کارخانہ بند ہو چکا ہے اس کے جو بھی اسباب ہوں (ان اسباب کی اس مختصر مقالہ میں تشریح نہیں ہو سکتی) یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کا معاشرہ ایک اخلاقی بحران میں مبتلا ہے، جس کے آثار و نشانات قومی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہیں۔

ایسی حالت میں ایک ملت یہاں رہتی ہے جو پندرہ کروڑ کی تعداد میں بتائی جاتی ہے وہ اپنے پاس اللہ کی کتاب صحیفۂ آسمانی رکھتی ہے، سنت نبوی مدوّن اور محفوظ طریقہ پر اس کے پاس ہے، فقہ اسلامی کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو زندگی کے تمام احکام (عبادات سے لے کر معاملات و سیاسات مدن و اخلاق و اجتماع کے آداب تک) پر مشتمل ہے، جس کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی، فقہ کا جتنا بڑا کام، اعمال اور انسانی زندگی کے تنوعات کا، ثواب و عذاب کے عقیدہ اور ایمان سے اور انسانی حرکات و اعمال کا، حلال و حرام جائز و ناجائز کے تصور سے جو ربط ہے، اس ربط کی تفسیر و تشریح کرنے کے سلسلے میں جو محنت اسلام کی تاریخ میں ہوئی ہے اس کی کوئی مثال مجھے معلوم نہیں اور جس کی کوئی نظیر گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم آخری امت ہیں، ہم حامل قرآن ہیں، ہم داعی الی اللہ ہیں، ہم محتسب کائنات ہیں، اقبال نے ابلیس کی زبان سے یہ حقیقت ادا کروائی ہے، اس کے سامنے اس کی مجلس شوریٰ میں مختلف قوموں کے بارہ میں کہا گیا اور مختلف خطروں کی نشاندہی کی گئی، اس کی مجلس کے ارکان نے کہا ہمارے نظام اور کام کو اشتراکیت سے خطرہ ہے، ملوکیت سے خطرہ ہے، جمہوریت سے خطرہ ہے، کسی نے کہا کہ ؎

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابلیس نے ان تمام خطروں کو کوئی اہمیت نہیں دی، اس کے برخلاف اس نے کہا ؎

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

اس نے کہا ؎

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

مسلمان قوم کا یہ امتیاز اور اس ملک کا جمہوری نظام، پھر مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی، یہ ساری باتیں مواقع فراہم کرتی ہیں کہ ہم یہاں کے نظم و نسق پر اثر انداز ہوں، یہاں قانون بنانے میں ہمارا حصہ ہو سکتا ہے پھر اس ملک کے جمہوری ہونے کی وجہ سے اس ملک کی قیادت کا منصب بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں، اگر ہم اپنے کو اخلاقی طور پر، باطنی طور پر، ذہنی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی ممتاز و فائق ثابت کر دیں تو اس ملک کی قیادت کے ہم طالب نہیں ہوں گے، ملک کی قیادت خود ہماری طالب ہوگی، ہمیں سورج کا چراغ لے کر ڈھونڈے گی، یہاں کی خاک کے ذرہ ذرہ، درخت کے پتہ پتہ سے آواز آئے گی کہ اس ملک کو بچانے والے کہاں ہیں؟ آئیں اور اس ملک کو بچائیں، آپ کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ آپ کو کچھ آسانیاں سے چاہئیں، کچھ آسامیاں چاہئیں، آپ ملک کے نجات دہندہ ہیں! آپ اس ملک کی آخری امید ہیں! اس ملک کے باشندوں کو ہم عدل کا پیغام دیں، عقل سلیم کا پیغام دیں، خدا ترسی اور انسان دوستی کا پیغام دیں، اور اس میں اس کا لحاظ رکھیں

بقیہ ص۱۱ پر

اسلام اور مسلمان

ذیل کی سطروں میں ہم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک ایسی تحریر پیش کر رہے ہیں جس میں ایک طرف تو مسلمانوں کے لیے اپنے اس دین و عقیدہ پر اعتماد کو بحال کرنے کا پورا سامان موجود ہے، جس کو انہوں نے اپنے اسلاف کرام سے پایا ہے اور دوسری طرف اسلام سے ضد، بعد اور کد رکھنے والوں کے لیے غور و فکر کا سامان کہ کیا ایسا دین انسانوں کو پستی کی طرف لے جاتا ہے یا انسانی شرف و کرامت کو مع اس کی مادی ترقیوں کے رفعت و بلندی کے بام عروج پر پہنچاتا ہے ——— ادارہ،

دنیا کے ہر پیغمبر نے اپنی امت کے سامنے حیرت انگیز معجزے پیش کئے ہیں، حضرت نوحؑ کی دعا نے عالم کو غرقاب کر دیا، حضرت شعیبؑ اور حضرت لوطؑ کی دعاؤں نے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے آگ برسائی، حضرت موسیٰؑ کے معجزہ نے فرعون کو بحر احمر کا لقمہ بنا دیا، عصائے موسیٰؑ کی کارفرمائی نے چٹانوں کی چھاتی سے پانی کا دودھ بہایا اور بحر احمر کے دو ٹکڑے کر دیئے، دم عیسیٰؑ نے جنم کے اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو چنگا کیا، فرش موت کے سونے والوں کو جگایا، اور قبر کے مردوں کو باذن اللہ کہہ کر جلایا۔

یہ واقعات دنیا میں پیش آئے اور ختم ہو گئے، برق کا شرارہ تھا جو دم کے دم میں چمکا اور بجھ گیا، لیکن ایک پیغمبر ایسا بھی آیا جس کے حیرت انگیز معجزہ نے قوموں کو ہلاک کرنے کے بجائے ان کو حیات تازہ بخشی، پتھر دلوں کو موم، عقل کے اندھوں کو بینا، اور بنی آدم کی جمعیت کو غفلت و بے ہوشی کی نیند سے جگا کر ہشیار اور کفر و شرک کی ہلاکت سے بچا کر زندہ کیا، یہ حیرت انگیز واقعہ بجلی کی چمک کی طرح دفعتاً ظاہر ہو کر غائب نہیں ہو گیا یہ ید بیضا، عصائے موسیٰؑ اور دم عیسیٰؑ کی طرح اپنے امکان اور وقوع میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی نکتہ سنجیوں کا محتاج نہیں، یہ روز روشن کی طرح واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ہزار سال تک مسلسل و متواتر واقعیت بن کر، دنیا اور اہل دنیا کے سامنے جلوہ گر رہا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دین اور آخری صحیفہ لے کر، اور نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ بن کر، اس دنیا میں تشریف لائے، آپ کے بعد نہ کوئی نیا دین آنے والا، نہ کوئی نبی مبعوث ہونے والی تھی، اس لیے ضرورت تھی کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کا خاص معجزہ وقتی اور عارضی نہ ہو بلکہ جب تک اس دنیا میں آپ کی نبوت کا نور چمکتا ہے، اس کی روشنی بھی قائم رہے چنانچہ وقتی اور عارضی معجزوں کے علاوہ آپ کو ایک ایسا خاص معجزہ بخشا گیا جو قیام قیامت تک قائم اور باقی رہنے والا ہے قرآن نے تحدی کی کہ میں اپنے رسول و پیغمبر کی صداقت کی گواہی ہوں، جن و انس مل کر بھی چاہیں تو مجھ جیسی کتاب بلکہ مجھ جیسی کتاب کی ایک سورہ بلکہ ایک آیت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکتے، اس اعلان پر پوری چودہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر اب تک فضائے بسیط کے ہر گوشہ بارش ہوتی رہی، لیکن جونہی کہ چودھویں برس کا چاند طلوع ہوا، اس کی روشنی ماہ شب چہار دہم بن کر نمودار ہوئی اور چند سال کے عرصہ میں دیکھا تو عرب کا گوشہ گوشہ بقعۂ نور بن گیا۔

قرآن کا سب سے بڑا تاریخی معجزہ یہ ہے کہ ۲۳ برس کی تعلیم میں ایک ان پڑھ اور جاہل قوم کو عالم ترین اور متمدن ترین قوم بنا دیا، جس کی عظمت نے دنیائے قدیم کے دونوں بازو قیصر و کسریٰ کو توڑ دیا، چالیس برس کی مدت میں جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا، قرآن کے ماننے والوں نے جو بحر ہند کے دہانے سے لے کر، بحر اٹلانٹک کے ساحل تک پھیلے ہوئے تھے، دنیا کی کایا پلٹ دی،

مسلمانو! ربانی قوت کا یہ سرمایہ اب بھی تمہارے پاس ہے اور اللہ کے اس خزانۂ رحمت کی کنجی اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے، ہمت کرو اور ادب سے اس کے اوراق کو کھولو، اس کے معنوں کو سمجھو، اس کی باتوں پر یقین کرو، اور اس کے حکموں کو مانو اور عمل کرو، پھر دیکھو کہ تم کہاں سے کہاں پہنچتے ہو۔

میں اس کے جواب میں خاموشی چھائی ہے یہاں بھی عقل و فلسفہ کی منطقیانہ نکتہ آرائیوں سے بچ کر، تاریخ کے آئینہ میں واقعیت کا چہرہ دیکھیں، قرآن پاک دنیا کی سب سے تاریک سرزمین میں، سب سے جاہل قوم پر اترا، جو علم و تمدن سے عاری، دولت و ثروت سے خالی، سامان و اسلحہ سے محروم اور ہر قسم کی دنیاوی اور مادی طاقت سے تہی مایہ تھی، قرآن نے تیرہ برس تک کبھی پہاڑوں کے غاروں سے اور کبھی پہاڑوں کی چٹانوں سے انسانیت کو آوازیں دیں، اس طویل مدت میں اس کی پکار کے جواب میں سب دشمن

تاریکی کی جگہ نور، جہالت کے بدلے علم، شرک و کفر کے بجائے خدا پرستی آئی، دنیا کی سب سے غریب و مفلس قوم سب سے بڑی دولت مند اور سب سے نادان و جاہل و وحشی قوم سب سے بڑی عالم و علم پرور اور متمدن ہو گئی، دنیا کی سب سے ضعیف و کمزور قوم سب سے قوی اور سب پر غالب ہو گئی وہ قوم جس کو دنیا میں کبھی سیاسی عزت و جاہ و جلال نصیب نہیں ہوا تھا اس نے دنیا کی شہنشاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا،

عرب و عجم، ترک و دیلم، حبش و زنگ، ہند و سندھ جس نے بھی قرآن کو اپنے سینے سے لگایا اس نے فتح و ظفر کا پرچم ہاتھ میں لیا، تخت شاہی

حکومت کا تاج اپنے فرق شاہی پر رکھا، عربوں کی کیا بساط تھی، دیلم کو کون جانتا تھا، سلجوق سے کون واقف تھا، غور و خلج و تغلق کس شمار میں تھے، کرد کس گنتی میں تھے، خوارزم شاہی اتابکی اور مصر کے بحری ممالیک اور ہندوستان کے ترکی غلاموں کی حیثیت کیا تھی، اور مٹھی بھر آوارہ گرد ترک قبیلہ کا سردار عثمان خاں جس کی اولاد نے یورپ، ایشیا اور افریقہ دنیا کے تینوں براعظموں پر چھ سو برس تک حکومت کی، اسلام سے پہلے کیا تھا مگر جب انہوں نے اپنی عقیدت کا سر قرآن کے آگے جھکایا تو دنیا کی شہنشاہیوں نے ان کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

بربروں کا تمدن کیا تھا، افریقہ کے وحشیوں کا رتبہ کیا تھا، بربر کی بربریت کی داستانوں سے کون آگاہ نہ تھا، ترک و تاتار کی درندگی کے واقعات سے کس کے کان آشنا نہ تھے، مگر دیکھو کہ جب قرآن نے ان کے سر پر سایہ ڈالا تو انہی کے ہاتھوں سے عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں پڑیں، بڑے بڑے متمدن شہر آباد ہوئے، علوم و فنون کی درسگاہیں کھلیں اور تمدن و تہذیب کے نقش و نگار اور آثار نمودار ہونے لگے، فلسفہ و عقل کی جلوہ آرائی ہوئی علم و فن نے ترقی کی، بیسیوں نئے علوم اختراع ہوئے، پچھلے علوم نے رونق تازہ پائی اور ان کی بری اور بحری تجارتوں نے دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کر لیا۔

انہوں نے سب سے ماوراء اور مادہ و مادیات سے ہٹ کر انسانی اخلاق و آداب نے اسی قرآن کی تعلیم و ہدایت سے تکمیل کا درجہ پایا، عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کے سبق از بر ہوئے اور اہل جہاں کی آنکھوں کو وہ منظر دکھا دیا جس کو آغاز آفرینش سے آج تک انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا مغرب کی قوموں کو مشرق سے اور مشرق کی بستیوں کو مغرب سے ملا دیا، اور حسب و نسب قومیت و وطن، پستی و بلندی، اور شاہی و گدائی کے ہر قسم کے نشیب و فراز کو مٹا کر قرآن والوں کو ایک برادری اور واحد قومیت پیدا کر دی، جس کا وطن دنیا کا ہر ملک اور جس کا مسکن دنیا کا ہر گوشہ تھا۔

باطل پرستی کے ہر طلسم کو توڑ دیا بتوں کے ہیکل مسمار کر دیئے، ستارہ پرستی کا چراغ گل کر دیا، انسانی جانوں کی قربانی موقوف کر دی، دختر کشی کی رسم کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا، عورتوں کو عزت

فن برائے تفریح یا تخریب

مولانا واضح رشید ندوی ایڈیٹر "الرائد" ___ ترجمہ: شکیل الرحمن سیاحی

دور حاضر کی اگر ایک لفظ میں تعریف کی جائے جس سے زمانہ کے مزاج و منظر کو پہچانا جا سکتا ہو تو ہم اسے لفظ "فن" سے تعبیر کر سکتے ہیں، اور اس دور کو "فن کی دنیا" کا نام دیا جا سکتا ہے۔

فن پُر فریب اور دلکش طریقوں سے ذہنوں کو متاثر کرنے کا ذریعہ ہے جو انسان کی طاقت و قوت اور افکار و خیالات پر غیر شعوری طور پر مستولی ہو جاتا اور اس کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے، پھر اس کی خام انسان اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کے تقاضوں سے بے خبر ہو کر اس کے مظاہر اور اس کے مضامین کی دلفریبی میں کھویا رہتا ہے اور اگر اس کا اثر حد سے تجاوز کر جائے تو ان تمام امور سے رشتہ منقطع کر لیتا ہے جو متانت و سنجیدگی حلم و بردباری اور صبر و وقار کے متقاضی ہوں، اور زندگی کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، کیونکہ "فن" لوگوں کے دلوں کو موہ کر انہیں اپنے خیال میں گم کر دیتا ہے اس کی شکلیں اور تعبیرات ذہن میں گھومتی رہتی ہیں اس سے دلچسپی بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ نشہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، بعض لوگ کسی فنی مظاہرہ کو بار بار دیکھتے ہیں اور دوسروں کو ترغیب دیتے اور اس کا ہر وقت چرچہ کرتے رہتے ہیں، جس کے نتیجہ میں انسان اشتعال انگیزی کی طرف ٹوٹ پڑتا ہے، اگر اسمیں جنسی مضامین یا مظاہر ہیں تو اس کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے، "فن" ایسا علم ہے جس کی تعبیر دلکش اور شکل جاذب نظر ہے وہ ذہن تک پہونچنے کا مختصر ترین راستہ ہے۔

گذشتہ زمانہ میں ہر فن سے تعلق رکھنے والے "فنکار" کہلاتے تھے، اس سے نفع کی غرض سے خاص مواقع ہوتے تھے اسی طرح اپنے "فن" کو پیش کرنے کے بھی مخصوص مقامات ہوتے تھے، لیکن موجودہ زمانہ میں اس "فن" نے ایسی ترقی کر لی ہے کہ زندگی کے بیشتر پہلوؤں پر اس کا سکہ جما ہوا ہے۔ اب سیاسی لیڈر بھی فنکار اور فوجی قائد بھی فنکار ہے، "فن" اب ذہنی کمال کے ایسے مظاہرہ کا نام ہے، جو دوسرے کو فریب میں مبتلا کر دے۔

ایک معاصر مفکر "تہذیب نو" کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے "تہذیب نو" کا مطلب یہ ہے کہ فلک بوس عمارتوں کی کثرت ہو جن پر ٹی وی کے ANTENA دور سے ہی نظر آ رہے ہوں، فیکٹری اور کارخانوں کی چمنیاں دکھائی دے رہی ہوں، کارخانوں کے باہر مزدوروں کی آمد و رفت نظر آ رہی ہو، مارکیٹ میں زیب و زینت کے سامان اور ضروریات زندگی کی اشیاء فراوانی کے ساتھ موجود ہوں۔ تھیٹر، آرٹ سنٹرس، کلب، پارکس اور فائیو اسٹار ہوٹل کی سہولیات فراہم ہوں" ترقی پذیر ممالک کے سیاست دانوں نے "تہذیب جدید" کی اس تعریف کو جس کا تعلق مظہر سے ہے۔ ایسا قبول کیا ہے کہ اس کے اسباب و دواعی کے پیچھے لگ گئے ہیں کم سے کم وقت میں متمدن ملکوں کی صف میں کھڑے ہونے کے لئے انہوں نے وہ سارے مظاہر اختیار کئے ہیں اسی لئے فلک بوس بلڈنگوں کی تعمیر، آرٹ سنٹر کے قیام، آرٹسٹوں کی تشجیع اور اپنے پروگراموں کی توسیع میں انہوں نے ساری توجہ مبذول کر رکھی ہے، اور تعلیمی و تربیتی اداروں کے قیام کے مقابلہ میں سینما ہال اور تھیٹر ہاؤس بنانے کو زیادہ ضروری سمجھتے ہیں نیز جنسین کے درمیان اختلاط، ٹی وی کے اسباب کی فراوانی اور انکو عام کرنے کی غرض سے ان کی قیمتوں میں کمی اور گھریلو مصروفیات کے اوقات میں تفریح طبع کے پروگراموں کی اشاعت میں ان کا وقت زیادہ لگ رہا ہے

بیشتر ممالک کے حکمران "فن" کو اپنی شخصیت کی تعمیر کے لئے سب سے بڑے وسیلے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور انہوں نے وسائل ابلاغ کو تعلیم و تربیت کے بجائے لذت نفس کے حصول کا ذریعہ بنا دیا ہے اس طرح فنون لطیفہ فتنوں کی آماجگاہ بن گئے ہیں۔ جن میں ہر شخص ذہنی عیاشی اور تفریح طبع کے لئے مشغول رہتا ہے اور کوئی اخلاقی یا سماجی رکاوٹ بھی اس کے درمیان حائل نہیں ہو پاتی، کیونکہ مغربی تہذیب میں قدروں اور اخلاقیات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اخلاقی تصور نیز خیر و شر کا تصور وہ نہیں ہے جو مذہب اور اخلاق سکھاتا ہے، اعمال کا محاسبہ حقوق کی فکر اور انجام کار کی پرواہ کرنا ایک ایسا تصور ہے جو اس ترقی کے تصور کے ساتھ میل نہیں کھاتا بلکہ وہ قدامت پسندی یا بنیاد پرستی سمجھا جاتا ہے۔

فن کے بارے میں مغرب کے اس طرز فکر کو ہر ملک نے قبول کر لیا ہے، ترقی پسند اصحاب قلم نے بھی اس نقطہ کو اختیار کر لیا ہے، اگر کوئی آواز فن کے اس رخ کے خلاف اٹھتی ہے تو وہاں کے رسائل اور ذرائع ابلاغ اس پر اتنے سیخ پا ہوتے ہیں کہ اہل اقدار اور صحت مند سماج پر زبان طعن دراز کرنے لگتے ہیں اور دین کو آرٹ کا دشمن اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دینے لگتے ہیں۔ اور اخلاق کی تعلیم دینے والوں کو بنیاد پرستی کا طعنہ دیتے ہیں، فن کے اسی دفاع کے ساتھ، یہی اصحاب قلم نوجوانوں کی بے راہ روی، اخلاقی کرپشن، امن کے بحران، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت گری کے واقعات اور عورتوں کے اغوا کئے جانے کی شکایات بھی کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کے مسببات پر ان کی نظر نہیں جاتی، اور پھر جب حالات کو پرامن بنانے اور شر و فساد کو ختم کرنے کی حقیقی کوششیں کی جاتی ہیں تو بھی واویلا بھی مچائے جاتے ہیں

بچے اور بچیوں کے اغوا کے واقعات ہر ملک میں بکثرت پائے جا رہے ہیں، بچوں میں جرائم کا رجحان بھی اس وقت عام ہو رہا ہے، ان ممالک میں ہندوستان کا بھی شمار ہے، کچھ عرصہ پہلے مصر میں اغوا کے واقعات اور قتل کے وارداتوں میں زبردست اضافہ ہوا، اخبارات میں اس کا بڑا چرچا ہوا، تشویش اتنی بڑھی کہ مجرمین کو سخت سے سخت سزا دیئے جانے کے مطالبے ہوئے اور "الاخبار" کے اعلان کے مطابق حکومت مصر کی عدلیہ نے ان واقعات کی کثرت کی وجہ سے تلخ سزائیں سنائیں، اس وقت بعض اہل قلم نے فلم، ٹی وی اور جاسوسی ناولوں میں جرائم کی تصویر پر پابندی کا مشورہ دیا اس کے خلاف ترقی پسند مصنفین کے مضامین شائع ہوئے جن میں اس کا اظہار کیا گیا کہ اس پابندی سے فن کی ترقی اور حسن تعبیر پر اثر پڑیگا ___ جرائم کی اس تصویر سے دہشت انگیزی تیز تر ہو رہی ہے اور یہ مسئلہ انتہائی سنگین اور عالمی پیمانہ پر موضوع بحث بن چکا ہے جس پر کنٹرول پانا ترقی پسند ممالک کے لئے بھی دشوار ترین امر ہے کیونکہ ہر حکومت کو اس کے مضرات لاحق ہو رہے ہیں اور نئی نسلوں کا رجحان اس طرف بڑھ رہا ہے تقریباً تمام ملکوں میں اس قسم کی تحریکوں کا جال پھیلا ہوا ہے، ان میں سے بعض کرائے پر بکنے والے افراد کی خدمات حاصل کر کے مال کمانے کی فکر میں ہیں۔ یہ تنظیمیں اکثر مقامات میں انتشار و انار کی اور مذہبی بے راہ روی کا باعث بنی ہوئی ہیں تنہا ہندوستان میں مختلف شکلوں میں اس طرح کی سینکڑوں تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان میں بعض حزبی پیمانہ پر، بعض ملکی اور قومی پیمانہ پر اور بعض اقتصادی و معاشرتی پیمانہ پر ہیں، جن میں حکومتوں کا بھی ہاتھ ہوتا ہے، اور وہ ان سرکشوں و شر پسندوں کا ساتھ دیتی ہیں۔

مختلف ملکوں میں امن کی صورتحال LAW AND ORDER. بگڑتی جا رہی ہے، ہر جگہ کشت و خون ہو رہا ہے، ایک مسلمان اپنے ہی دوسرے مسلمان بھائی کو زبان و قومیت کی بنیاد پر قتل کرنا چاہتا ہے، ہندو سکھ کی اور سکھ ہندو کی جماعت اور وطن کی بنیاد پر جان لینے کے درپے ہے، اعلیٰ طبقے کے لوگ نچلی ذاتوں کے خون کے پیاسے ہیں، مختصر یہ کہ قتل و قتال، جنگ و جدال، لوٹ مار، جور و ستم، ظلم و زیادتی اس زمانے کا قانون بن چکا ہے، جس کو جنگلی قانون کا نام دیا جا سکتا ہے۔

یہ صورت حال ہر ملک میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ ہر ملک کے ذرائع ابلاغ اور ذہنی تربیت کرنے والے وسائل "فن" کی مغربی تعریف پر عمل کر رہے ہیں۔ اور اس مادہ پرستانہ ذہنیت کو ہوا دے رہے ہیں جو تفریح کے نام پر جرائم کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ ایک زبردست فتنہ ہے جس کے اسباب کا اگر جائزہ لیا جائے تو کھلے طور پر "فن" اور اسباب فن کے ساتھ غیر معمولی شغف کی صورت میں نظر آئیں گے۔

ذہن پر چھائے ہوئے "فن" کے اثرات معلوم کرنے کے لئے ہندوستانی اخباروں کا شائع کردہ یہ بیان کافی ہے کہ "بچوں کی ایک بڑی تعداد تیر اندازی کی وجہ سے آنکھیں کھو بیٹھیں، کیونکہ انہوں نے ٹیلی ویژن پر رام اور راون کے درمیان چھڑی جنگ کا مشاہدہ کیا اور پھر اس کی نقل کی" "رامائن سیریل مسلسل ٹی وی پر دکھائی جا رہی ہے۔ جسے ہر چھوٹے بڑے دیکھتے ہیں اسی سے بچوں تک نے تیر اندازی کا فن سیکھ لیا جس کے برے اثرات ظاہر ہوئے" یہی ننگی فلموں اور تھیٹروں میں اغواگری اور جنسی بے راہ روی کے مظاہر دیکھتے ہیں تو

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

مدارس و مکاتب سائنس کا حکم رکھتے ہیں

نوٹ: مدرسہ فیض الاسلام پھلت ضلع مظفر نگر کے ایک افتتاحی جلسہ کے موقع پر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے یہ فکر انگیز تقریر فرمائی۔ پھلت حضرت شاہ ولی اللہؒ کی جائے پیدائش ہے۔ اس علاقہ کی ایک بڑی تعداد حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد میں شریک رہی اور شاید یہیں کے لوگوں نے سب سے زیادہ جام شہادت نوش فرمایا۔
عبد الرحمان نے ٹیپ کی مدد سے یہ تقریر نقل کی

حضرات علماء کرام، برادران عزیز!

پھلت کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ہر صاحب علم کو خاص طور پر جو تاریخ کا طالبعلم رہا ہو خصوصاً ہندوستان کی تاریخ کا اس کیلئے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ اسے پھلت کے وہ نامور (افراد) یاد آ جائیں جو صرف پھلت ہی کیلئے باعث فخر نہیں، بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے۔

بارہویں صدی ہجری جس میں اس عہد کا سب سے بڑا عالم دین یہ میں پوری بصیرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اسرار شریعت کا سب سے بڑا شارح مسلمانوں کی زندگی کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کا قائد یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ، مجھے تاریخ لکھنے کے سلسلے میں، خصوصاً شاہ ولی اللہؒ کے عہد کی شخصیتوں، تحریکوں پر قلم اٹھانے کے سلسلہ میں اس عہد کا مطالعہ کرنا پڑا۔ علامہ اقبالؒ نے مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں کہا تھا ؂

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

میں اسی مطالعہ اور فکر کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس پورے برصغیر میں اب تک حضرت شاہ ولی اللہؒ کا شروع کیا ہوا دور چل رہا ہے، عربی مدارس، دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جتنے بھی مدارس اسلامیہ ہیں یہ سب امتداد اور تسلسل ہے حضرت شاہ ولی اللہ کے مسلک و مزاج کا، ان کا مزاج ہے ولی اللہی اور اس وقت تک ہی ان میں خیر و برکت اور افادیت ہے جب تک ان میں ولی اللہی مزاج قائم ہے، اس لحاظ سے ہمارے لئے پھلت سیرگاہ نہیں، بلکہ زیارت گاہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاف اور خلفاء دونوں عطا کئے ہیں۔ اخلاف میں امام الہند شاہ عبد العزیز، علوم عقلیہ کے امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ، اور شاہ عبد القادرؒ جنکا ترجمہ قرآن پاک مشہور ہے۔ غیر عربی میں اب تک کسی بھی زبان میں ان سے بہتر کسی نے نہیں کیا، پھر ان کے چوتھے صاحبزادے شاہ عبد الغنی جن کو موقع نہیں ملا، اللہ نے ان کو نعم البدل یہ عطا فرمایا کہ شاہ اسماعیل شہید جیسا من اذکیاء العالم فرزند ملا۔ یہ تو ان کے اخلاف تھے اور خلفاء میں آپ دیکھیں سید احمد شہیدؒ خلیفہ شاہ عبد العزیز مولانا عبد الحیؒ شاہ محمد اسحاقؒ جو درس و تدریس کے بھی امام ہیں۔ اور سلسلہ تصوف شریعت کے بھی ہیں دہلی کو یہ خانوادہ پھلت کا عطیہ ہے، پھلت میں داخل ہوتے ہی یہ تمام تاریخ سامنے آ جاتی ہے، اور یہ تاریخ دہی ہے عالم اسلام کی کہ جب دار الحکومت میں عہدوں کو حاصل کرنے کی وجہ سے، مصنوعی زندگی کی بنا پر قویٰ سست ہونے لگے، رگوں میں خون منجمد ہونے لگا، تو قصبات نے نیا خون عطا کیا، آپنے نہ صرف سلطنت مغلیہ کے دار الخلافہ بلکہ مرکز علم و سلوک و جذبۂ جہاد دہلی کو پھلت نے اتنا بڑا تحفہ عطا کیا خانوادۂ ولی اللہی، اس سے بڑھ کر تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے، جس طرح لکھنؤ کو سہالی کے ایک قصبہ نے خانوادۂ علماء فرنگی محل عطا کیا ایسے ہی جب بغداد میں اضمحلال پیدا ہوا، حکومت کے شر نے قویٰ کو مضمحل کر دیا، اور سوائے حصول منصب کے کوئی مقصد لوگوں کے سامنے نہیں رہا، تو ایران کے ایک قصبہ جیلان نے سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کا تحفہ دیا جس نے پورے عالم اسلام کو عشق الٰہی کے سوز سے بھر دیا، جس کی لہریں افریقہ تک پہونچیں، ایسے ہی ایران کے ایک معمولی قصبہ نے امام غزالی جیسا مفکر عطا کیا، الغرض قصبات نے ہر دور میں دار الحکومت کو ایسا چمکتا ہوا دھکتا ہوا، دمکتا ہوا، نیا خون عطا کیا جس نے پورے پورے ملکوں کو گرما دیا،

بہت سے لوگ اس کو بھول جاتے ہیں کہ یہ نیا خون کس نے عطا کیا، بڑے بڑے شہروں کی تاریخ سامنے آ جاتی ہے اور وہ آڑ بن جاتی ہے، جہاں ایسے مردم خیز قصبوں میں جا کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں کیسے کیسے باکمال پیدا ہوئے، خدا کی دین کی بھی کوئی حد نہیں اس کی قدرت کی وسعت معلوم ہوتی ہے۔

وہاں یہ ذہن بھی جاتا ہے جو نفسیاتی رد عمل بھی ہے کہ اب ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے اور خدا کی مردے سے زندہ کو پیدا کرنے کی جو قوت ہے (یخرج الحی من المیت) اس کو بھول کر ذہن کے کسی گوشہ میں یہ بات ضرور آتی ہے کہ اب تو بس تاریخ کو اور ان کے کارناموں کو پڑھنا چاہیئے، اور اپنے معاش میں لگنا چاہیئے، تو آپکے سامنے پھلت کا جو تاریخی تعارف کرایا گیا ہے اس نے مجھے آمادہ کیا کہ میں یہ آیت پڑھ کر سناؤں

كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا

ہم ان کو بھی بھر بھر کر دیتے ہیں، اور ان کو بھی هؤلاء وهؤلاء اور دیتے رہیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے معنی دیتا ہے یعنی یوں کہنا کہ "ہم دیتے ہیں" صحیح نہیں۔ اور "دیتے رہیں گے" یہ بھی صحیح نہیں، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "دیتے ہیں" اور "دیتے رہیں گے"، تمہارے رب کی دین میں کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ کہ اب اگر دیدیا تو انتظار کروائے گا رس کا ہمارے رب کی عطا میں کوئی راشن نہیں ہے، کیونکہ اس کی بخشش لامحدود ہے، وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا

اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا ؂

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی، آثار و نشاں سب قائم ہیں!
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

لیکن اس کے کچھ شرائط ہیں، ہمت بلند ہو، اخلاص دیتی ہو، اللہ تعالیٰ نے کوشش کی بھی جا بجا تاکید کی ہے، اللہ تعالیٰ کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کو ضائع نہیں کرتا، تو یہ ملت تو محبوب ہے، رحمۃ للعالمین کی ملت ہے، اشرف الامم ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو انسانیت بھی عزیز ہے، اپنی پیدا کی ہوئی دنیا بھی عزیز ہے ___ جس ماحول کا ہمارے لئے انتخاب کیا گیا ہے یا ہم جس ماحول کیلئے انتخاب کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہمارا جوڑ ہو، اور ہم اس فضا میں اپنی افادیت ثابت کریں۔

ہمارے اکابر مجدد الف ثانیؒ ہوں یا شاہ ولی اللہؒ ہوں، یا شاہ عبد القادرؒ ہوں، انہوں نے زمانے کی نبض پہچانی، انہوں نے دیکھا کہ زمانے کو روحانیت کی ضرورت ہے۔ علم صحیح کی ضرورت ہے توحید خالص کی، عہدوں اور انانیت سے بلند ہو کر اعمال میں روح پیدا کرنے کی ضرورت ہے طلب رضائے الٰہی کی ضرورت ہے ایسے ہی انہوں نے دیکھا کہ اس وقت انسانیت کس چیز کی پیاسی ہے؟ وہ زندہ رہنے کا استحقاق کھوتی چلی جا رہی ہے۔ اس سے جو مظالم سرزد ہو رہے ہیں اس سے جو حق تلفیاں ہو رہی ہیں اس سے جو خون انسانی ارزاں ہو رہا ہے، اور پانی کی طرح بہہ رہا ہے، کہیں اللہ تعالیٰ نسل انسانی کے خاتمہ کا فیصلہ نہ کرے کیونکہ

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ۔

جو جھاگ ہے وہ چلا جاتا ہے، اور جو چیز نافع ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے معلوم ہوا کہ بقا مربوط ہے نافعیت کے ساتھ جو چیز اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے جو گروہ، کوئی مرکز، دعوت یا تحریک اپنی نافعیت کھو بیٹھتی ہے وہ اس کی مستحق نہیں رہتی کہ قائم رہے، یہی سنت اللہ ہے۔

ان بزرگان دین نے دونوں کام کئے ہماری نظر اس پر تو جاتی ہے کہ انہوں نے ملت کو کیا دیا، حدیث و تفسیر میں کیا نئی راہیں کھولیں علوم اسلامیہ میں کتنا عمق پیدا کیا، جوں میں کیا روحانیت پیدا کی لیکن ہماری نظر اس پر نہیں جاتی کہ انہوں نے غیر مسلموں کی نظر میں اسلام کا کس درجہ احترام پیدا کیا، سیرت نبوی کو غور سے دیکھئے، پڑھئے، مطالعہ کرنے پر کس طرح آمادہ کیا؟ مؤرخین نے بھی اس پر پردہ ڈالا، جہاں انہوں نے علم کے دریا بہائے سند درس بچھائی، وہیں اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا، اسلام کے حقائق و

مطابق عقل ہونے کا اور اسلام کے اس دنیا کی پیاس بجھانے کا ثبوت دیا، یقین دلایا، ہمارے سوانحی لٹریچر میں یہ پہلو بہت مغلوب رہ گیا ہے، آج میں کہتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کو یہ دونوں کام کرنے ہیں، عقائد صحیحہ، عبادات مقبولہ، طلب خداوندی کے ذریعہ ملت کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے صحیح بھی ہو، قوی بھی ہو، دونوں چیزیں ضروری ہیں، صرف صحیح ہونا کافی نہیں، قوی بھی ہو، صرف قوی ہونا کافی نہیں، صحیح بھی ہو، عبادت تو مشرکین بھی کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: وما کان صلاتهم عند البيت الا مكاء وتصدية

لیکن اس کے ساتھ ساتھ خصوصاً اس زمانے میں ملت کا یہ فریضہ بھی ہو گیا ہے کہ اپنی نافعیت ثابت کرے، ہماری وجہ سے کتنی بلائیں ہیں جو ٹل رہی ہیں، ہم اس ملک کے لئے باعث رحمت و برکت ہیں، یہ جب ہی ہوگا، جب آپ صحیح انسان بن کر بازاروں، دفتروں میں جائیں، جو انہیں سوچنے پر مجبور کرے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس نے ہمیں ایسا انسان بنا دیا، ہم بتائیں کہ اس ملک کے لئے پہاڑ دریا سمندر اتنے ضروری نہیں جتنے کہ ہم، ہمارا پیام انسانیت، ہماری خدا ترسی، ہم ایسے دوراہے پہ آ گئے ہیں کہ ایک راستہ سیدھا ارتداد کی طرف جا رہا ہے، میں اس سے کم درجہ کا لفظ استعمال کرنے پہ تیار نہیں اگر کوئی آسمان سے دیسا اشارہ نہ ہوا، قدرت خداوندی کی کوئی مداخلت نہ ہوئی تو اس کے صاف آثار ہیں، آثار ہی نہیں بلکہ آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے، تصور کی آنکھ سے جس میں صرف تصور ہی نہیں، بلکہ تصویر بھی شامل ہے، کہ آئندہ نسل شاید اسلام کے بنیادی عقائد سے بالکل نا آشنا ہو صرف آشنا منفی طور پر ہی نہیں بلکہ اس کے بالمقابل اسلام کے برخلاف عقائد و تصورات کی حامل ہو مشرکانہ عقائد کی قائل ہو، ایسے خطرناک دوراہے پر آ گئے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اس کے لئے اپنی ساری توانائی صرف کر ڈالیں تو شاید آنے والی نسل ۲۵ برس بعد یہ تو زیادہ کہہ دیا بلکہ ۱۵ برس کے بعد خطرہ ہے، کہ وہ اللہ و رسولؐ کے نام سے بالکل نا آشنا ہو، اس کی مثالیں سامنے آنے لگی ہیں کہ اسکولوں کے بچے بہت سے اللہ کا لفظ صحیح نہیں لکھ سکتے پوچھتے ہیں کہ ہم اللہ کس طرح لکھیں اور آج نوجوانوں کی ایک تعداد دیکھتی ہے کہ اس دھرتی کو کرشن یا رام چلاتے ہیں، ہندو علم الاصنام، ہندو دیو مالا، بچوں کے ذہنوں پر اثر کر رہی ہے، ابھی

ٹی وی پر "رامائن" جو سیریل چل رہا ہے، کالج کی جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں اس سے جوانوں کے ذہن و دماغ متاثر ہو رہے ہیں۔

يا أيها الذين امنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا

معاملہ عالم و فاضل، یا مفسر و محدث بنانے کا نہیں، بلکہ معاملہ ہے جہنم سے بچانے کا، دوزخ کی آگ سے بچانے کا، ایک جلسہ میں ایک بہن ایسی تھیں کہ جن کے چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، عورتوں نے پوچھا کہ بہن! سر میں درد ہے؟ کچھ پیٹ میں تکلیف ہے؟ بولیں کہ کچھ نہیں پھر مزید اصرار پر بتایا کہ میں بچہ سوتا ہوا چھوڑ کر آئی تھی اس سے کچھ فاصلہ پر دیا سلائی رکھی ہوئی ہے، اگر وہ بچہ جاگ گیا اور چل کر وہاں تک گیا اور دیا سلائی سے تیلی نکال لی، پھر اپنے کپڑوں میں آگ لگالی تو کیا ہوگا۔ عورتوں نے پوچھا کہ بچے کی عمر کیا ہے؟ بولیں "ڈھائی سال کا ہے" سب نے کہا کہ ہوش کی باتیں کرو، وہ اتنا چھوٹا بچہ چارپائی سے کیسے اترے گا؟ اور پھر چل کر وہاں تک جائے گا؟ اور جا کر وہی ایک کام کرے گا؟ جواب دیا کہ تمہارا بچہ ہوتا تو جانتیں؟ میرا بچہ ہے اس لئے مجھے ڈر ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ آج ہمارے ماں باپ کے دل میں یہ خیال پیدا کیوں نہیں ہوتا کہ اگر ہم نے بچہ کو کلمہ، نماز نہ سکھائی، توحید کا سبق یاد نہ کرایا۔ ابراہیمؑ کی بت شکنی نہ سمجھائی تو کل وہ مشرک اٹھے گا یہاں تو بالکل خطرات نہیں، بلکہ مشاہدات ہیں، وہاں تو ایسا دور دراز کا اندیشہ تھا، میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک لڑکا ڈھال کی سڑک پر سائیکل پر جا رہا ہے اور آگے گہری کھائی ہے سائیکل کے بریک بھی نہیں ہیں، تو باپ بےچین ہوگا کہے گا کہ بیٹا آگے کھائی ہے سائیکل سے اتر جاؤ۔ اسی طرح آج ہمارے سامنے ایک گہری کھائی ہے، وہ کھائی ہندو دیو مالا کی ہے، بت پرستی ہے، مسلمانوں کے دلوں سے شرک و بت پرستی کی طرف سے دحشت کم ہو رہی ہے حالانکہ مسلمان کے لئے شرک و بت پرستی کی طرف سے ایسے گھن آنا ضروری ہے جیسی پاخانہ پیشاب سے بلکہ اس سے زیادہ گھن آنا ضروری ہے۔ یہ تکدر، یہ تعفن، یہ وحشت دور ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ ایک مسلمان کو سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہونا تھا کہ کل وہ مشرکانہ عقائد لے کر نہ اٹھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا ایک بچہ کو قتل کر دینے کا واقعہ تشریعی نہیں ہے۔ اس پر عمل آج نہیں ہو سکتا، مگر یہ قصہ قرآن میں قیامت تک پڑھا جائے گا اس کا

مقصد و افادیت یہ ہے کہ مسلمان سمجھے کہ خاندان کے لئے فتنہ بننے والا بچہ کتنا منحوس ہوتا ہے، اس قصہ کو قرآن نے جگہ دی تاکہ معلوم ہو کہ یہ خطرہ کتنا بڑا تھا؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو کھلی ہوئی بت پرستی سے، مشرکانہ عقائد سے بچانے کے لئے اپنے گھٹنے ٹیک دیجیے، ہر ممکن کوشش کر ڈالئے، اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کیلئے خالی وقتوں میں پرائیویٹ کلاسز کا انتظام کرائیے، یا ان مدارس و مکاتب میں داخل کرائیے یہ مدارس و مکاتب آج ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں، سانس کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر سانس چل رہی ہے تو ہم زندہ ہیں ورنہ ختم اور اپنے ماحول کو مانوس کریں فضا اگر یونہی اشتعال انگیز رہی تو کسی وقت چنگاری کو آگ لگ سکتی ہے اگر ہمیں دیکھ کر ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار نمودار ہوتے رہے، وہ دیکھتے رہے کہ نہ ہم میں اخلاقی کردار، نہ افادیت ہم بھی وعدہ خلاف اسی طرح یہ بھی جس طرح ہم جھوٹ بولتے ہیں اسی طرح یہ بھی، تو ہم صرف اپنے لئے ہی نہیں، بلکہ اسلام کے باقی رکھنے کے لئے بھی اس ملک میں خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ ہمارے اکابر جو افریقہ، مراکش، اسپین تک اسلام کو پھیلاتے چلے گئے، یہ صرف زبانی کام نہیں، بلکہ اس میں کردار بھی شامل تھا جنھیں دیکھ کر خود بخود غیر مسلموں میں جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ اسلام کو قبول کریں، اسی پرسنل لا کی لڑائی اسی لئے لڑی گئی تھی کہ عائلی تعلقات میراث، طلاق، نکاح، سب اسلامی طریقہ پر ہوں جس کے لئے سب مطالعہ کرنے والے علماء اپنے گھروں سے نکل کر میدان میں آئیں اپنے عائلی قانون کی بھی حفاظت کرنی ہے اپنے ملی تشخص کی بھی حفاظت کرنی ہے اس کا قریب ترین ذریعہ یہ دینی مدارس و مکاتب ہیں، دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ یہ تلخی جو پانی، ہوا، سانسوں اور ماحول اور فضا میں آ گئی ہے اسے دور کریں، اسلام کا تعارف کرائیں، ورنہ کسی چیز کا موقع باقی نہ رہے گا،

"پیام انسانیت کی تحریک" یہ ایک چہار دیواری ہے، یہ ایک حصار ہے، اسمیں بیٹھ کر آپ قرآن شریف پڑھئے، مسجد بنائیے نماز پڑھئے، خدانخواستہ یہ ٹوٹ گئی تو؟ خدا ہمیں اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے جب یہ مسئلہ چہار دیواری کے اندر آ جائے اور مدارس و مساجد سب خطرے میں پڑ جائیں۔

میں جسمانی طور سے اس حالت میں نہیں تھا کہ اتنا بھی کہہ سکوں آپ حضرات کے خلوص اور سکون نے اتنا کہلوا دیا۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

غور سے پڑھیے
اور اپنی غیرت کو آواز دیجیے

مدرسہ فیض الاسلام، پھلت ضلع مظفرنگر کے افتتاحی جلسہ میں جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی صدارت میں ہو رہا تھا ایک پانچ سالہ بچی نے خواتین کی تعلیم کی اہمیت و ضرورت پر تقریر کرتے ہوئے مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"وراثت میں آپ ہمیں نصف حصہ دیتے ہیں، کیا پیارے نبیؐ کی وراثت میں ہمارا دسواں حصہ بھی نہیں؟

اس نے قوم کو للکارتے ہوئے کہا کہ "یاد رکھیں کہ معاشرے میں نیک لوگوں کی کمی اس لئے ہے کہ ماں کی گود جو سب سے پہلا مدرسہ ہے وہ ویران اور علم سے دور ہے، جب تک اس مدرسہ کی فکر نہ کریں گے، ملت کی اصلاح نہیں ہو سکتی، اس نے اکابرین دین کی نیک ماؤں کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ "خیر النساء بہتر صاحبہ کی گود کا طفیل تھا کہ اس دور میں ہمیں حضرت مولانا (ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم) جیسا مفکر اور امام وقت نصیب ہوا، کسی بڑے آدمی کی بڑائی میں بنیادی کردار اس کی ماں کا ہوتا ہے تجربہ شاہد ہے کہ ہر عالم مرد کی وجہ سے ماحول میں دینداری نہیں آتی مگر ہر عالمہ عورت سے محلہ میں دین اور علم کا چرچا ضرور ہوتا ہے۔"

بھارت کے مسلمان

پروفیسر جگن ناتھ آزاد

آزاد صاحب کی یہ نظم اگرچہ پرانی ہے، لیکن ان کی حقیقت پسندی نے اس کی تازگی کو اب تک برقرار رکھا ہے، لہٰذا ہم اسے ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

اس دور میں تو کیوں ہے پریشاں و ہراساں — کیا بات ہے کیوں ہے متزلزل ترا ایماں
دانش کدۂ دہر کی اے شمع فروزاں — اے مطلع تہذیب کے خورشید درخشاں
حیرت ہے گھٹاؤں سے ترا نور ہو ترساں
بھارت کے مسلماں

تو درد محبت کا طلب گار ازل سے — تو مہر و مروت کا پرستار ازل سے
تو محرم ہر لذت اسرار ازل سے — ورثہ ترا رعنائی افکار ازل سے
رعنائی افکار کو کر پھر سے غزل خواں
بھارت کے مسلماں

ہرگز نہ بھلا میرؔ کا غالبؔ کا ترانہ — بن جائے کہیں تیری حقیقت نہ فسانہ
قزاق فنا کو تو ہے درکار بہانہ — تاراج نہ ہو قاسم[1] و سید[2] کا خزانہ
اے قاسم و سید کے خزانے کے نگہباں
بھارت کے مسلماں

حافظ[3] کے ترنم کو بسا قلب و نظر میں — رومی[4] کے تفکر کو سجا قلب و نظر میں
سعدی[5] کے تکلم کو بٹھا قلب و نظر میں — دے نغمۂ خیام[6] کو جا قلب و نظر میں
یہ لحن ہو پھر ہند کی دنیا میں پرافشاں
بھارت کے مسلماں

طوفان میں تو ڈھونڈ رہا ہے جو کنارا — امواج کا کر دیدۂ باطن سے نظارا
ممکن ہے کہ ہر موج نظر کو ہو گوارا — ممکن ہے کہ ہر موج بنے تیرا سہارا
ممکن ہے کہ ساحل ہو پس پردۂ طوفاں
بھارت کے مسلماں

مانند صبا خیز و زیدن دگر آموز — اندر دل غنچہ خزیدن دگر آموز
در انجمن شوق طپیدن دگر آموز — نومید مشو نالہ کشیدن دگر آموز
اے تو کہ لیے دل میں ہے فریاد نیستاں
بھارت کے مسلماں

ظاہر کی محبت سے مروت سے گزر جا — باطن کی عداوت سے کدورت سے گزر جا
بیکار و دل افگار قیادت سے گزر جا — اس دور کی بوسیدہ سیاست سے گزر جا
اور عزم سے پھر تھام ذرا دامن ایماں
بھارت کے مسلماں

اسلام کی تعلیم سے بیگانہ ہوا تو! — نامحرم ہر جرأت رندانہ ہوا تو!
آبادیٔ ہر بزم تھا ویرانہ ہوا تو! — تو ایک حقیقت تھا اب افسانہ ہوا تو
ممکن ہو تو پھر ڈھونڈ گنوائے ہوئے ساماں
بھارت کے مسلماں

اجمیر[7] کی درگاہ معلیٰ تری جاگیر — محبوب الٰہی[8] کی زمیں پر تری تنویر
ذرات میں کلیر[9] کے فروزاں تری تصویر — ہانسی[10] کی فضاؤں میں ترے کیف کی تاثیر
سرہند[11] کی مٹی ہے ترے دم سے فروزاں
بھارت کے مسلماں

ہر ذرہ دہلی ہے تری ضو سے منور — پنجاب کی مستی اثر جذب قلندر[12]
گنگوہ[13] کی تقدیس ہے قدوس سراسر — پٹنے[14] کی زمیں نکہت خواجہ سے معطر
مدراس کی مٹی میں نہاں تاج شہیداں[15]
بھارت کے مسلماں

بسطامی[16] و بصری و معری و غزالی — جس علم کی جس فقر کی دنیا کے تھے والی
حیرت ہے تو اب ہے اسی دنیا میں سوالی — ہے گوشۂ پستی میں تری ہمت عالی
افسوس صد افسوس تری تنگیٔ داماں
بھارت کے مسلماں

مذہب جسے کہتے ہیں وہ کچھ اور ہے پیارے — نفرت ہے بری اس کا ہر اک طور ہے پیارے
مذہب پہ تعصب تو بڑا جور ہے پیارے — عقل و خرد و علم کا یہ دور ہے پیارے
اس دور میں مذہب کی صداقت ہو نمایاں
بھارت کے مسلماں

اسلام تو مہر اور مروت کا بیاں ہے — اخلاص کی روداد مروت کا بیان ہے
ہر شعبۂ ہستی میں صداقت کا بیاں ہے — اک زندہ و پائندہ حقیقت کا بیان ہے
کیوں دل میں ترے ہو نہ حقیقت یہ فروزاں
بھارت کے مسلماں

اسلام کی تعلیم فراموش ہوئی کیوں — انسان کی تعلیم فراموش ہوئی کیوں
افراد کی تنظیم فراموش ہوئی کیوں — اخلاص کی اقلیم فراموش ہوئی کیوں
حیرت میں ہوں میں دیکھ کے یہ عالم نسیاں
بھارت کے مسلماں

ماحول کی ہو تازہ ہوا تجھ کو گوارا — درکار ہے تہذیب کو پھر تیرا سہارا
کر آج نئے رنگ سے دنیا کا نظارا — چمکے گا پھر اک بار ترے بخت کا تارا
ہو جائے گی تاریکیٔ ماحول گریزاں
بھارت کے مسلماں

[1] مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند۔ [2] سرسید احمد خاں۔ [3] مشہور شاعر حافظ شیرازی۔ [4] مولانا جلال الدین رومی۔ [5] شیخ سعدی شیرازی۔ [6] مشہور فلسفی شاعر عمر خیام۔ [7] خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ۔ [8] حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی۔ [9] کلیر میں حضرت علاؤالدین احمد صابر کا مزار مبارک ہے۔ [10] ہانسی میں حضرت جمال ہانسوی اور دوسرے بہت سے بزرگوں کے مزارات ہیں۔ [11] سرہند میں حضرت مجدد الف ثانی کا مزار مبارک ہے۔ [12] پانی پت میں حضرت بو علی شاہ قلندر کا مزار ہے۔ [13] حضرت عبدالقدوس گنگوہی جن کا مزار مبارک گنگوہ میں ہے۔ [14] پٹنہ میں حضرت خواجہ اسحاق کا مزار ہے۔ [15] تاج شہیداں سے مراد ٹیپو سلطان شہید ہے۔ [16] بسطامی سے مراد حضرت بایزید بسطامی ہیں، بصرہ میں بہت سے بزرگ گزرے ہیں، معری سے مراد عربی شاعر ابوالعلا معری اور غزالی سے حضرت امام غزالیؒ ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کے بعض اہم مسائل اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی جد وجہد

مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ منعقدہ دہلی ۱۶ اپریل ۱۹۸۸ء نے یہ تجویز منظور کی تھی کہ: "پھیلائی گئیں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے مجلس عاملہ ... سے بورڈ کی کارگذاریوں پر جامع بیان اخبارات کو دیا ... ئے، اور دوسرے ذرائع سے بھی اسے عوام تک پہنچایا جائے" اسی تجویز کی روشنی میں درج ذیل بیان شائع کیا جا رہا ہے۔

نیاز احمد رحمانی (آفس انچارج)
(آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔ خانقاہ رحمانی مونگیر)

۱۹۳۷ء میں شریعت اپلی کیشن ایکٹ کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو تحفظ دیا گیا، جس میں یہ صراحت کی گئی کہ نکاح و طلاق، فسخ و وراثت، ہبہ اور وقف وغیرہ سے متعلق معاملات میں اگر فریقین مسلمان ہوں تو لازمی طور پر مسلم پرسنل لا کے تابع ہونگے، اور ایسے تمام رسوم و رواج باطل قرار دیے جائیں گے جو شریعت محمدیہ سے ٹکراتے ہوں۔

آزاد ہندوستان میں جب دستور سازی ہوئی تو دستور ہند کی دفعہ ۲۵ اور ۲۹ کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو قانونی تحفظ دیا گیا۔ لیکن دستور کے رہنما اصول دفعہ ۴۴ میں یہ کہہ کر کہ ریاستیں کوشش کریں گی کہ پورے ملک میں شہریوں کے لئے یکساں قانون ہو، مسلم پرسنل لا کے خاتمہ کا بیج بو دیا گیا۔

۱۹۵۶ء میں جب ہندو پرسنل لا میں ترمیم کی گئی اور ہندو کوڈ بل پاس ہوا تو اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے کہا تھا کہ:

"ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جا رہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی"۔

دراصل وزیر قانون کا یہ بیان حکومت ہند کی پالیسی کا اعلان تھا۔ ساتھ ساتھ کچھ نام نہاد مسلمانوں کو بھی اس کام کے لئے آگے بڑھایا گیا۔ جنہوں نے مسلم معاشرہ کی اصلاح اور ترقی پسندی کے نام پر مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا نعرہ بلند کیا، اخبارات و رسائل، سیمینار و سمپوزیم، ابلاغ عامہ اور پبلسٹی کے تمام ذرائع مسلم پرسنل لا کی مخالفت میں سرگرم عمل ہو گئے۔

ان حالات میں علماء و عمائدین ملت مسلم قانون دانوں اور دانشوروں نے مسئلہ کی نزاکت محسوس کی اور اللہ تعالیٰ نے کچھ حساس لوگوں کو مل کر بیٹھنے اور غور و فکر کرنے کی توفیق دی۔ اور یہی چھوٹا سا قافلہ ۲۷/۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو عروس البلاد بمبئی میں ملت اسلامیہ کا سیل بے کراں بن کر ابھرا۔ جہاں باہمی جھگڑوں، سیاسی اور علاقائی گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا تاریخی اور نمائندہ ترین کنونشن ہوا، جس نے قانون شریعت کی حفاظت کے لئے پوری قوت اور کامل اتحاد کے ساتھ اپنے واضح موقف کا اعلان کیا۔

اسی کنونشن کے نتیجہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا، بورڈ نے شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کے تحفظ مسلمانوں کو معاشرتی زندگی کے شرعی آداب و احکام سے واقف کرانے اور معاشرہ سے تمام غیر اسلامی رسوم و رواج اور غیر شرعی امور کو مٹانے کیلئے ایک جامع منصوبہ بنایا بورڈ نے اپنا کام شروع کیا۔ ملک کے ہر گوشہ میں مقامی، ضلعی اور صوبائی سطح پر عظیم کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد ہوئے اور حضرت امیر شریعت بہار و اڑیسہ مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی مدفیوضہ جنرل سکریٹری پرسنل لا بورڈ کے تین رسالے "مسلم پرسنل لا"، "مسلم پرسنل لا کا مسئلہ نئے مرحلہ میں"۔ اور "مسلم پرسنل لا بحث و نظر کے چند گوشے" ملک کی مختلف زبانوں میں شائع کئے گئے اور انہیں ہزارہا کی تعداد میں عام مسلمانوں تک پہنچایا گیا جس سے لوگوں کو مسئلہ سے واقفیت پیدا ہوئی اور اس کی اہمیت کا احساس جاگا مسلمانوں میں اپنے حقوق کے تحفظ کا جذبہ اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوا۔ یہ امت مسلمہ ہندیہ کیلئے ایک تاریخ ساز اور قابل قدر پیش رفت تھی جو مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک کے نتیجہ میں ہوئی۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ملت اسلامیہ کیلئے تاریخ کا ایک موڑ ثابت ہوا، حالات نے پلٹا کھایا، مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا نعرہ لگانے والوں کے لہجہ میں معذرت کا انداز پیدا ہوا، اور اب یہ کہا جانے لگا کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم اسی وقت کی جا سکتی ہے، جب مسلمان چاہیں۔

بورڈ کی دو اہم ذمہ داریاں

مسلم پرسنل لا بورڈ نے دو اہم ذمہ داریاں قبول کیں۔ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرنا، اور ہر اس کوشش کا مقابلہ کرنا جو شریعت میں مداخلت کے لئے براہ راست، یا بواسطہ یا متوازی قانون سازی کے ذریعہ کی جا رہی ہو۔ دوسرے مسلمانوں کو شرعی احکام و آداب اور حقوق و فرائض سے واقف کرانا، اسلام کے عائلی قوانین کے نفاذ کی ہمہ گیر جد وجہد، فقہ اسلامی کے تحقیقی مطالعہ کا اہتمام اور شریعت اسلامیہ کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں نئے مسائل کا حل۔

اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل ہے کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے وجود، ان کی تہذیبی خصوصیات کی بقا اور ایک تابناک مستقبل کی ضمانت اسی وقت دی جا سکتی ہے جب ان تمام محاذوں پر جامع منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا جائے۔

آج ہمیں یہ جائزہ لینا چاہیے کہ حالات کی ناسازگاری اور وسائل کے فقدان کے باوجود سولہ برسوں میں مسلم پرسنل لا بورڈ نے کیا کامیابیاں حاصل کیں اور اسکی نمایاں خدمات کیا ہیں؟

متبنی بل ۱۹۷۲ء اور مسلم پرسنل لا بورڈ

سوچی ہوئی اسکیم کے تحت ۲۳ مئی ۱۹۷۲ء کو متبنی بل کا مسودہ راجیہ سبھا میں پیش کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر قانون مسٹر ایچ، آر، گوکھلے نے کہا تھا کہ:

"ہندو قانون تبنیت و نفقہ ۱۹۵۶ء کی جگہ یہ نیا قانون یکساں شہری قانون کی حیثیت سے ملک کے سب ہی شہریوں پر نافذ ہوگا۔ یہ مسودۂ قانون یکساں سول کوڈ کی طرف پہلا مضبوط قدم ہے"

یہ دراصل ایک متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم قانون وراثت اور قانون نکاح کو بے اثر کر دینے کے مرادف تھا۔

علماء دین، ماہرین قانون اور مسلم دانشوروں نے قانون شریعت پر آنے والے خطرات کو محسوس کیا اور بمبئی میں منعقد تاریخی کنونشن میں اس بل کی شدید مخالفت کی گئی اور قرارداد میں کہا گیا کہ۔

"قانون تبنیت ۱۹۷۲ء کو اپنی موجودہ شکل میں یہ اجلاس قانون شریعت میں مداخلت سمجھتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے"

متبنی بل کے خلاف بورڈ کی قرارداد اور اس کے خلاف اجتماعات، تجاویز اور ٹیلی گراموں کی کثرت نے مرکزی حکومت کو محسوس کرا دیا کہ مسلمانوں میں اس بل کی وجہ سے بڑی بے چینی ہے چنانچہ اس پر رائے عامہ حاصل کرنے کے لئے حکومت نے متبنی بل کا مسودہ پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کر دیا، بورڈ نے اس محاذ پر پورے ملک کی رائے عامہ کو متحرک کیا اس سلسلہ میں مختلف جلسے اور اجتماعات منعقد ہوئے۔ خود بورڈ کی مجلس عاملہ اور جنرل کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ حیدرآباد، الہ آباد، بھوپال، بنگلور، رانچی، دہلی، اور پونہ میں اہم تجاویز منظور کیں جن میں کہا گیا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نزدیک مسودہ قانون تبنیت ۱۹۷۲ء شریعت اسلامی کے خلاف اور قرآن و سنت کی صریح نصوص سے متصادم ہے، بورڈ نے اس بل کے خلاف تفصیلی تجاویز حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے رکھیں اور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ اس متوازی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کی صورت نکالی گئی ہے اور اس سے شریعت میں مداخلت ہوتی ہے جو مسلمانوں کے لئے کسی طرح قابل برداشت نہیں۔

اس موقع پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ضروری سمجھا کہ اہل علم اور عوام کے سامنے اس بل کی خرابیوں اور اس کے دور رس اثرات کو واضح کیا جائے۔ اور ایک ایسی تحریر مرتب کی

جائے جو ارکان پارلیمنٹ کے سامنے اس بل کے سلسلہ میں مسلم نقطۂ نظر کی وضاحت کر سکے اور جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سامنے جو حضرات اپنی شہادتیں دینا چاہتے ہیں انہیں تبنیت کے مسئلہ میں اسلامی ہدایات سے صحیح واقفیت حاصل ہو سکے، اس مقصد کے لئے ایک وقیع تحریر بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے "متبنی بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ" کے نام سے اردو، انگریزی، ہندی، بنگالی وغیرہ زبانوں میں ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا اور پورے ملک میں اہل علم، قانون دانوں اور عوام تک پہنچایا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ تیار کی گئی فضا کا یہ نتیجہ ہوا کہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے علماء کرام، قانون دانوں، دانشوروں اور اداروں کے نمائندوں نے اتنی بڑی تعداد میں شہادتیں دیں اور بل کی مخالفت میں مشورے دیئے۔

بالآخر ۱۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو جنتا حکومت نے مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کو معقول تسلیم کرتے ہوئے بل واپس لیا اور اس وقت کے وزیر قانون مسٹر اشوک شانتی بھوشن نے پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا کہ:

"اسلامی فقہ متبنی کو وراثتی حقوق عطا نہیں کرتی یہ قانون مسلمانوں کے جذبات کے مغائر ہے۔ اس لئے بل واپس لیا جا رہا ہے"۔

۱۹۸۰ء میں جب کانگریس حکومت مرکز میں برسر اقتدار آئی تو پھر کچھ نام نہاد مسلمانوں اور ترقی پسندوں نے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں اور یہ تحریک چلائی کہ متبنی بل کو دوبارہ پارلیمنٹ میں لایا جائے مسلم پرسنل لا بورڈ نے بیدار مغزی کے ساتھ اپنی جد وجہد جاری رکھی۔ بورڈ کے نمائندوں نے حکومت کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں اور ماضی کی تاریخ یاد دلائی پرسنل لا کا ایک عظیم وفد وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے بھی ملا اور انہیں ایک مفصل میمورنڈم پیش کیا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ حکومت نے ۱۹۷۲ء میں متبنی بنانے کا جو بل پیش کیا تھا اس کو نافذ نہ کرے لیکن ۱۶ دسمبر ۱۹۸۰ء کو وزیر قانون مسٹر پی شیو شنکر نے پارلیمنٹ متبنی بل پیش کر دیا البتہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی جد وجہد اور بروقت بیداری کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس بل میں واضح الفاظ میں مسلمانوں کو قانون تبنیت سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔

بورڈ کی بے مثال جرأت مندی

جون ۱۹۷۵ء میں جب ملک میں ایمرجنسی نافذ کی گئی اس وقت جس مسئلہ نے عام مسلمانوں کو سب سے زیادہ بے چین کیا وہ جبری نس بندی کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلہ نے پورے ملک کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ایمرجنسی کا زمانہ تھا، اخبارات، اور پریس کی پابندی نے رائے عامہ کو بھی سامنے آنے سے روک رکھا تھا، گرفتاریوں، ایذا رسانیوں اور آزمائشوں کی اس نازک گھڑی میں بورڈ نے بڑی جرأت اور استقلال کے ساتھ توازن کا ثبوت دیا۔ ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء کو دہلی میں مجلس عاملہ کا اجلاس اس حال میں منعقد ہوا جبکہ کوئی اجلاس کرنا ممکن نہ تھا۔ اجلاس میں ارکان عاملہ کے علاوہ ملک کے جید علماء کرام مفتیان عظام اور اصحاب فکر نے شرکت کی اور پوری بحث کے بعد جبری نس بندی کے خلاف ایک تجویز منظور کی گئی جس میں مسئلہ کی صحیح وضاحت کی گئی اور نس بندی کے مسئلہ پر شرعی موقف واضح کیا گیا پریس نے ان فیصلوں کو شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر بورڈ نے اپنے ذرائع سے شرعی موقف کو شائع کرایا، اور بورڈ کے دفتر کے علاوہ مختلف ملی جماعتوں اداروں اور افراد نے بھی اس کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔

اس طرح بورڈ نے بروقت اور جرأتمندانہ رہنمائی کی۔ اس موضوع پر بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم نے ایک رسالہ "خاندانی منصوبہ بندی کے

بقیہ ص ۱۴ پر

بقیہ اداریہ

کہ ہمارا وہ پیغام ہمارے اسلامی عقیدہ اور ایمانی جذبہ کے ساتھ مربوط اور جڑا ہوا ہو، یہاں تک کہ ذہین لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص طرح کی قوت شامہ عطا فرمائی ہے، (جو معنویات میں بھی اسی طرح کام کرتی ہے جیسے مادیات و جسمانیات میں) اس عمومی انسانی دعوت میں ہمارے ایمان کی خوشبو اور مہک پائیں، وہ یہ محسوس کریں کہ یہ خود غرضی کا پیغام نہیں، نفسانیت کا پیغام نہیں اس کے پیچھے سیاسی یا اقتصادی مقاصد نہیں، یہ وہ پیغام ہے جس کو ان لوگوں کے ایمان باللہ و تعلیمات اسلامی نے پیدا کیا اور جلا اور طاقت دی ہے، اس پیغام کا سرچشمہ اور اس کا محرک و داعی ان کا خدا ہے (جو رب العالمین ہے) اور خدا کے اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے (جو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے) رابطہ ہے۔

بقیہ اسلام اور مسلمان

اور غریبوں کو بشارت دی اور سب کے لیے صرف ایک ایمان اور عمل صالح کو ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا زینہ بنایا، اور بتایا کہ انسانی سعادت کی شاہراہ غاروں خلوتوں اور پہاڑوں سے ہو کر نہیں گذری ہے، بلکہ شہروں بازاروں مجمعوں اور انسانی بھیڑ بھاڑ کے اندر سے گذری ہے، حق کی نصرت انسانوں کی بھلائی، یتیموں کی سرپرستی، غریبوں کی امداد، گرتوں کی دستگیری، مظلوموں کی فریادرسی اور غلاموں کی آزادی سب نیکیوں کی جڑیں ہیں اور اس راہ میں ہر قسم کی جد وجہد، زحمت کشی و محنت اور ایثار و قربانی اصلی نفس کشی و ریاضت ہے (اور سب کے آخر میں اور سب سے بڑھ کر اس نے مسلمانوں کو اللہ کے ایک آستانۂ قدس کے سوا دنیاوی قوت کے ہر آستانہ سے بے نیاز کر دیا، خدائے قادر کی قدرت کے سوا، ہر قدرت سے وہ بے نیاز اور ہر قوت سے وہ بے پروا ہو گئے، انہوں نے فرعونوں کو دریا میں ڈھکیل دیا، نمرودوں کے تخت الٹ دیئے، ہامانوں کی سلطنتیں چھین لیں، اور شدادیوں کی بہشت پر قبضہ کر لیا اور یہ سب کچھ اس لیے وہ کر سکے کہ انہوں نے ان سب جھمیلوں کے ساتھ ہر رشتہ محبت کو توڑ کر صرف خدا سے اپنا رشتہ جوڑا تھا، ان کے ہر عمل کی غایت اللہ کی خوشنودی اور رضامندی تھی تو اللہ بھی ان سے خوش ہوا اور اپنی خوشنودی کا ہر خزانہ ان کے لیے کھول دیا۔

قرآن نے اللہ والوں کی جماعت پیدا کی جو اللہ ہی کے لیے کرتی اور چھوڑتی تھی اللہ ہی کے لیے دیتی اور لیتی تھی اور اسی کے لیے جیتی اور مرتی تھی،

مسلمانو! ربانی قوت کا یہ سرمایہ اب بھی تمہارے پاس ہے اور اللہ کے اس خزانۂ رحمت کی کنجی اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے، ہمت کرو اور ادب سے اس کے اوراق کو کھولو، اس کے معنوں کو سمجھو اس کی باتوں پر یقین کرو اور اس کے حکموں کو مانو اور عمل کرو، پھر دیکھو کہ تم کہاں سے کہاں پہنچتے ہو،

۱؎ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ۱۲ کروڑ سے پندرہ ۱۵ کروڑ تک بیان کی جاتی ہے اور اس کے قرائن و اسباب موجود ہیں، حکومت بھی ان کی تعداد دس ۱۰ کروڑ تک مانتی اور بیان کرتی ہے،

۲؎ رومی ایرانی معاشرہ کی پستی اور اخلاقی و معنوی زوال کی تفصیل کے لیے حسب ذیل کتب کا مطالعہ کیا جائے۔
The decline and fall of the Roman Empire (Edward Gibbon) L' Iran sous les Sassanides by a Christensen. (ترجمہ اردو) "ایران بعہد ساسانیاں" بقلم ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورینٹل کالج۔ لاہور)

مولانا عبد اللہ عباس ندوی کا سفر ڈھاکہ

دار العلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس صاحب ندوی ڈھاکہ یونیورسٹی میں اسلامیات اور عربی زبان کے نصاب تعلیم کی کمیٹی میں ندوۃ العلماء لکھنؤ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی غرض سے ڈھاکہ روانہ ہو گئے ہیں، اس عرصہ میں وہاں کے کالجوں اور مدرسوں کے اساتذہ کے اجتماعات میں متعدد محاضرات پیش کریں گے، جن کے عناوین یہ ہیں۔

اسلامیات کی تعلیم کس طرح دی جائے؟ اسلامی فن تربیت، ندوہ کے نصاب تعلیم بنیادی عناصر اور ان کا دائرہ عمل، یونیورسٹیز اور مدارس کے نصاب تعلیم کو کیونکر مفید بنایا جائے۔

مولانا اپنے پروگرام کے مطابق وسط اگست میں انشاء اللہ واپس آجائیں گے

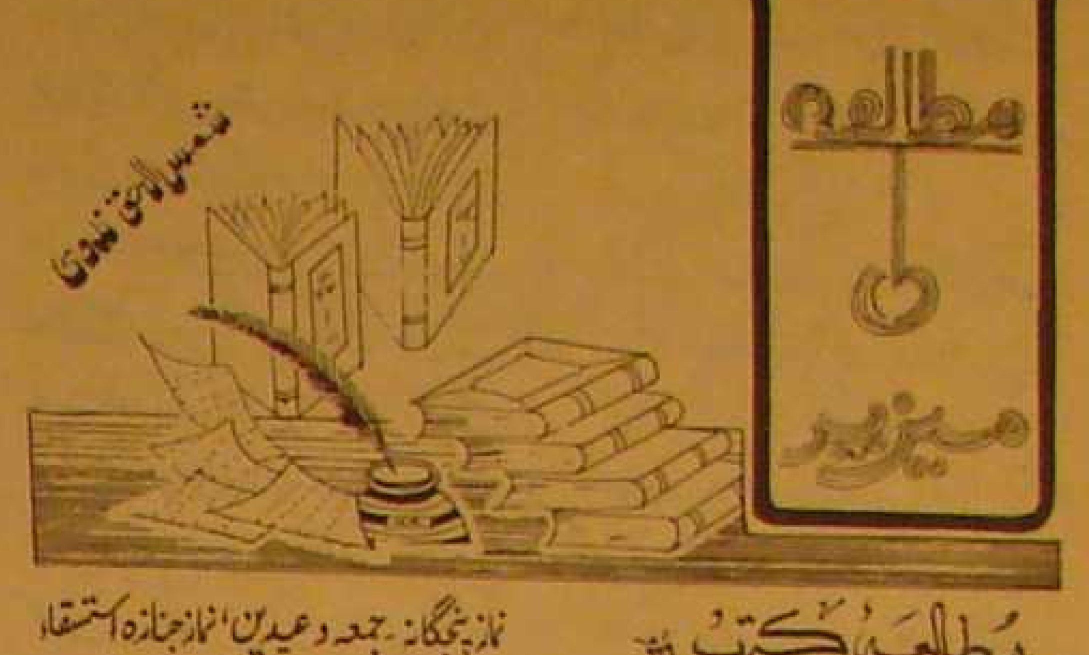

مطالعۂ کتب

تذکرہ مصلح الامت ج ۲

مرتبہ مولانا محمد قمر الزماں صاحب
ناشر مکتبہ دار المعارف الہ آباد ۷، بہ بخشی بازار
عمدہ کتابت وطباعت بہترین جلد

کتاب کا یہ دوسرا حصہ دراصل ان مکاتیب پر مشتمل ہے جو معاصر مشائخ، علماء اور اکابر نے حضرت شاہ صاحب رح کو لکھے ہیں ان خطوط سے حضرت کی مقبولیت، مرجعیت اور مسند ارشاد پر فائز ہونے کے اونچے مقام کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت کے یہاں اصل چیز اتباع سنت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ تصوف کی اصطلاح میں فنائیت کے لفظ سے بعض لوگوں کو بڑی وحشت ہوتی ہے شاہ صاحب نے حضور اکرم ﷺ کی دعا "اللھم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدك لم تملکنا منها شیئا فاذا فعلت ذلك بنا فکن انت ولینا واهدنا الی سواء السبیل" کو پڑھ کر فرماتے تھے اس دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کے اعضاء وجوارح تک کی ملکیت کو بجائے اپنے اللہ رب العزت کی طرف منسوب فرمایا ہے تو کیا یہ فنا کا معمولی درجہ ہے کتاب میں ایک معتد بہ حصہ آپ کے ملفوظات کا ہے جس سے تصوف کی روح وحقیقت بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے مولانا قمر الزماں صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ان قیمتی تعلیمات کو محفوظ اور دوسروں کیلئے قابل استفادہ بنادیا ٭

••

"نماز کے فضائل ومسائل"

مصنف سید محمود علی بخاری
صفحات ۴۴۸، قیمت ۲۸ روپے
ملنے کا پتہ
سید محمود علی بخاری جامع مسجد بلہار پور ضلع چندر پور - مہاراشٹر

کتاب مذکور میں لائق مصنف نے نماز کے فضائل کے ساتھ ساتھ نماز کی جملہ اقسام نماز پنجگانہ، جمعہ وعیدین، نماز جنازہ، استسقاء وصلوٰۃ استخارہ نوافل کی جملہ اقسام حتی کہ سجدہ تلاوت تک کے مسائل وفضائل کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رض کے نماز سے تعلق اور اہتمام کو بھی پیش کیا ہے تارک صلوٰۃ کے لئے قرآن وحدیث میں جو وعیدیں آئی ہیں ان کو بھی بیان کیا ہے کتاب کے آخر میں ان ماخذ کا بھی ذکر کردیا گیا ہے جہاں سے مسائل ماخوذ ہیں کتاب اس اعتبار سے بہت مفید ہے کہ نماز کی جملہ اقسام سے متعلق مسائل ایک ہی جگہ مل جائیں گے معمولی پڑھا لکھا شخص بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ٭

••

"حیات محروم" (تلوک چند محروم)

مصنف پروفیسر جگن ناتھ آزاد
سائز ۱۸-۲۲ صفحات ۲۵۱
طباعت وکتابت عمدہ فوٹو آفسٹ۔
قیمت ۴۰ روپے
کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی ۶

پروفیسر جگن ناتھ آزاد برصغیر ہند وپاک کی ادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں اسی طرح سے ان کے پدر بزرگوار "تلوک چند محروم" اردو ادب اور شعر وشاعری کی دنیا میں جانے پہچانے اور معروف ومشہور ہیں زیر نظر کتاب ایک ادیب کے قلم سے دوسرے ادیب کی تصویر کشی کا ایک دلکش نمونہ ہے

جب کسی شخص کی سیرت وحالات زندگی سے متعلق کتاب یا مضمون کا تذکرہ ہوتا ہے تو عام طور پر اول اول اس شخص کے کچھ نجی، خاندانی، اخلاقی اور معاشی حالات کا دھندلا دھندلا سا خاکہ ذہن میں گردش کرنے لگتا ہے، حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہوتی بلکہ اس شخص کی زندگی کے حالات ادب وشائستگی، اخلاق وکردار کی بلندی انسانیت سے پیار ومحبت کے ساتھ ساتھ اس کے ہم عصر معاصرین اس وقت کے سماج ومعاشرہ لوگوں کے رجحانات وطرز فکر کی پوری تاریخ وتصویر سامنے آجاتی ہے بلکہ کبھی کبھی اس شخصیت کے ضمن میں اس سے پہلے کی تاریخ کی بھی ایک جھلک سامنے آجاتی ہے "حیات محروم" میں انھیں سب پہلوؤں کی جامع ایک انسانیت دوست بلند کردار اور زخمی دل رکھنے والے شاعر وادیب کی تصویر کشی کی گئی ہے کتاب میں ایسے مقالات بھی آئے ہیں جہاں دل بھر آتا ہے اور پلکیں بھیگ جاتی ہیں کتاب کا مطالعہ زبان وادب اور کثرت معلومات دونوں اعتبار سے مفید ہے

"سرسید کے سیاسی افکار"

مصنف۔ ڈاکٹر فوق کریمی صاحب،
سائز ۱۸-۲۲ صفحات ۲۶۴،
قیمت ۶۰ روپے۔ کتابت وطباعت عمدہ
کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی ۶

کتاب دراصل ڈاکٹر فوق کریمی صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی۔ کا وہ مقالہ ہے جس میں انہوں نے سرسید مرحوم کے سیاسی افکار کا جائزہ لیکر ایک مفید کام انجام دیا ہے، کتاب پر جناب پروفیسر آل احمد سرور صاحب کا تعارف ہے جو کتاب کی قدر وقیمت پر روشنی ڈالتا ہے۔

بقول ڈاکٹر تنویر صاحب علوی کے جو انہوں نے سخن مختصر کے عنوان سے کتاب کے شروع میں تحریر فرمایا ہے "اس کتاب سے سرسید سے متعلق لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا اور برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ اور مذہبی وسیاسی تحریکوں کے پس منظر کو دیکھنے میں مدد ملیگی اور جو لوگ صدیوں میں پھیلی ہوئی ان تحریکوں کو ایک نظر میں دیکھنا اور سرسید کے سیاسی افکار کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اس کتاب کے صفحات ان کی رہنمائی کا سبب بنیں گی"۔

کتاب کا مطالعہ اس لئے بھی مفید ہے کہ مصنف نے ہندوستان میں اسلام کے داخلے کے وقت سے لیکر یعنی آٹھویں صدی عیسوی جب محمد بن قاسم نے ہندوستان پہنچکر عدل وانصاف کا پرچم لہرایا ہے سرسید کے عہد تک مختصر جائزہ پیش کردیا ہے ٭

"شاہکار تقریریں"

مصنف۔ محمد ناظم ندوی
ناشر:۔ شریف بک ڈپو چھٹملپور سہارنپور یوپی

نوجوان مصنف نے نو عمر طالبعلموں کو تقریر سکھانے کیلئے ایسے ضروری موضوعات پر (مثلاً اخلاص نیت، محاسبۂ نفس) جن سے بچوں کی صحیح تربیت بھی ہو اور قوت گویائی بھی پیدا ہو ایک تقریری مجموعہ تیار کردیا ہے جو ابتدائی وثانوی درجات کے طلبہ کیلئے مفید ہے۔

بقیہ
فن برائے تفریح یا تخریب

اس کا بھی اثر ان کے ذہنوں پر پڑتا ہے، اور تجربہ کا شوق ہوتا ہے۔ یہی صورت حال اس فلم کی ہے جس میں فسادات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

جو لوگ "فنون" کی علی الاطلاق حمایت کررہے ہیں وہ دراصل انسانی معیار اخلاق کے انحطاط کی تائید کررہے ہیں، ان کی تمنا ہے کہ انسان اپنی شرافت وبزرگی اور اخلاق کریمانہ کے اصولوں سے دستبردار ہوجائے، مگر انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے لوگ اپنے اس طرز عمل سے بعد میں آنے والی نسلوں اور قوموں کی عاقبت برباد کرنا چاہتے ہیں۔

بلا شبہ دین ومذہب اور اخلاقی اقدار کی بالادستی ہی انسانی شرافت ووجاہت اور عزت وکرامت کے باقی رکھنے کا واحد ذریعہ ہے، اور اس کی مدد سے دہشت پسندی کے فتنہ کی وہ آگ بجھائی جاسکتی ہے، جو آج سارے عالم کو جھلسائے دے رہی ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمان باری ہے۔

"الا تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر" اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو روئے زمین میں زبردست فتنہ وفساد برپا ہوجائے گا۔"

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے منصرم جناب افتخار حسین صاحب کے اکلوتے صاحبزادہ ڈاکٹر وقار عزیز کا تین دن کی مختصر علالت میں انتقال ہوگیا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

یہ حادثہ افتخار صاحب کے لیے غیر معمولی حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کے والد ووالدہ اور بہنوں کو صبر کی توفیق دے،

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بقیہ صفحہ ۲ کا (سورۂ فاتحہ)

کے بعد جس صفت کا ذکر کیا ہے وہ عدالت وانصاف اور جزاء کے دن کی مالکیت ہے اسکو "مالک یوم الدین" سے تعبیر کیا ہے۔ حاکم وقاضی خواہ کیسے ہی اختیارات کے مالک ہوں بہر حال ان کے اختیارات محدود ہوتے ہیں، اور وہ مجرم اور ظالم کو جب ضابطہ سزا دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس مالک مجبور نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ مالک کو پورے اختیارات ہوتے ہیں اور اگر وہ چاہے تو ظالم ومجرم کو بخش دے اور معاف کردے اور چاہے تو سزا دے، اس سے کوئی بازپرس کرنے والا نہیں اور اس سے کوئی جواب طلب کرنے والا نہیں اور اس کے سوا کوئی حاکم وسلطان نہیں حدیث شریف میں فرمایا گیا "لا مالك الا الله عز وجل" اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے۔

علامہ بیضاوی "مالک" کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ المالك هو المتصرف فى الاعيان المملوكة كيف يشاء من الملك۔

(یوم الدین)

یوم کے معنی لغت میں دن کے آتے ہیں جیسے یوم الجمعہ وغیرہ یعنی جمعہ کا دن اور دین کے معنی لغت میں جزاء وحساب کے آتے ہیں، اور قیامت کو بھی روز جزا اسی لئے کہتے ہیں، کیونکہ وہ حساب وکتاب اور بدلہ کا دن ہوگا، اس جگہ بھی "یوم الدین" سے مراد "روز محشر" ہے۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو آج بھی مالک ہے، تو پھر روز جزاء کے ساتھ اسکے مالک ہونے کو کیوں خاص کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی صفت مالکیت کا مشاہدہ بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہوکر رہے گا، جو اس دنیا میں بقول قرآن مجید کے، اندھے، بہرے، گونگے، ہورہے ہیں اور جن کی حیثیت مردہ میت کی سی ہے۔

"مالک یوم الدین" اس آیت کی قرأت کے سلسلہ میں قراء حضرات کا اختلاف ہے، اکثر لوگ "مالک یوم الدین" پڑھتے ہیں، اور بعض لوگ "مَلِكِ یوم الدین" کو ترجیح دیتے ہیں ان کے دلائل کئی ہیں۔ ان میں سے دو یہ ہیں:

۱۔ "ملك" کے مقابلہ میں "مالك" میں ایک حرف زائد ہے اور حرف کی زیادتی سے معانی میں زیادتی ہوتی ہے اس کے علاوہ حدیث شریف میں آتا ہے اللہ تعالیٰ ہر حرف پر دس نیکیاں دیتا ہے، تو اس حیثیت سے اسمیں دس نیکیوں کا اور اضافہ ہوجائیگا۔

۲۔ ملوک، قیامت میں بہت سے ہوں گے لیکن مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی اور اس کا جلوہ اس دن ظاہر وباہر ہوگا۔

جو لوگ "مَلِكِ یوم الدین" پڑھتے ہیں ان کے پاس بھی دلائل ہیں، اس میں سے دو دلیلیں یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آخری صورت میں اپنے کو "ملك" کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"قل اعوذ برب الناس ملك الناس الخ" اس جگہ متعین طور سے "ملك" ذکر کرنے سے پتا چلا کہ "ملك" مالک سے افضل اور اولیٰ ہے

۲۔ دوسری وجہ "مَلِك" کے اولیٰ ہونے کی یہ ہے کہ جو لفظ حجم کے اعتبار سے مختصر ہو لیکن معنی کے لحاظ سے وسیع ہو تو زیادہ فصیح وبلیغ ہوتا ہے اور "مَلِك" میں یہی صورت پائی جاتی ہے کہ وہ حروف کے لحاظ سے کم لیکن معانی کے لحاظ سے اعلیٰ ہے۔

علامہ ابن قیم نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سورہ میں پانچ اسماء الٰہی آئے ہیں، پھر اسکے بعد ان کی شرح بھی کی ہے جسکی تفصیل یہ ہے

(اللہ) یہ لفظ جمال وجلال کی صفات کا جامع ہے اور اس کے اندر وہ سب کچھ آگیا ہے جس کی تفصیل اسماء حسنیٰ ہے۔

(رب) اس کے تحت میں قدرت، طاقت، ضرر ونفع، بخشش وعطاء اور جود وسخا وغیرہ سارے اوصاف آگئے ہیں۔

(الرحمن) اس کے ذیل میں صفات جود وکرم، احسان وعفو، لطف ورافت اور رحمت وشفقت آگئی ہے۔

(الرحیم) رحیم کے معنی ہیں اپنے بندوں پر رحم وکرم کرنے والا، اسمیں شفقت ومہربانی اور رحم وکرم وغیرہ اوصاف آگئے ہیں۔

(مالك) اس لفظ کے ذیل میں عدل وانصاف، جزاء وسزا وغیرہ اوصاف وکمالات آگئے۔

(ایاك نعبد وایاك نستعین)

"ایاك" "ایا" یہ لفظ بذات خود حصر اور تخصیص کے لئے ہوتا ہے لیکن جب فعل "نعبد" پر مفعول کو مقدم کردیا تو اس کی وجہ سے اور زیادہ حصر اور تخصیص پیدا ہوگئی تو معنی ہوئے، ہم تیری عبادت میں کسی شرکت کا شائبہ بھی نہیں رکھتے۔

بعض علماء متقدمین نے اس آیت کی اہمیت اور شان کو بتلاتے ہوئے فرمایا،

الفاتحة سر القرآن وسرها (الفاتحة) هذه الكلمة،

سورۂ فاتحہ قرآن کا نگینہ ہے اور یہ آیت سورۂ فاتحہ کا نگینہ ہے۔

"نعبد" اللہ تعالیٰ نے نعبد کے فوراً بعد "نستعین" ذکر کیا، اور اس جگہ بھی "ایاك" کو مقدم کردیا گویا بندوں سے یہ کہلانا ہے کہ ہم عبادت میں تیری ہی توفیق تیری ہی اعانت اور تیری ہی دستگیری کے محتاج ہیں اور تیرے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں جو عبادت کی مستحق اور مدد طلب کرنے کی حقدار ہو۔

اس جگہ "ایاك" کی تکرار توحید اور رد شرک کی اہمیت کو دوبالا کررہی ہے علامہ ابن قیم نے فرمایا:

"نعبد" کا تعلق اللہ کی صفت الوہیت سے ہے اور "نستعین" کا تعلق صفت ربوبیت سے ہے۔

اس جگہ پہلے "نعبد" ذکر کیا گیا پھر "نستعین" حالانکہ پہلے "نستعین" ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ کام شروع کرنے سے پہلے آدمی مدد ونصرت کا محتاج ہوتا ہے، لیکن کیونکہ "نعبد" کو پہلے لانے میں بندہ کی طرف سے اور زیادہ عاجزی وبے بسی ظاہر ہوتی ہے، یعنی تو نے اپنی عبادت کا حکم دیا تو ہم تیری عبادت کرتے ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ تو کس طرح کی عبادت پسند کرتا ہے اس لئے تجھ ہی سے ایسی عبادت کی مدد طلب کرتے ہیں جو تجھے محبوب وپسندیدہ ہو اور تجھ سے اس بات کے طالب ہیں کہ ہمارے قلب کو اپنی طرف پھیر دے کیونکہ قلب ہی اصل اور بنیاد ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهى القلب" متفق علیہ (آگاہ ہوجاؤ کہ جسد انسانی میں ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوجائے تو سارا بدن صحیح وسالم ہوجائے گا اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا بدن برباد ہوجائے گا اور وہ ٹکڑا دل ہے)۔

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت کثرت سے مانگا کرتے تھے، "اللھم یا مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك" (اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت وفرمانبرداری کی طرف پھیر دے)۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا۔

"قلب المومنين بين اصبعين من اصابع الرحمن" (مومن کا دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے)۔

(اھدنا الصراط المستقیم)

لفظ نستعین کے ذریعہ جو چیز بندوں کی زبانی مانگی گئی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے محسوس بناکر بندوں کی زبانی کہلوا دیا، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں سے پوچھا کہ بتاؤ میں تمہاری کس قسم کی مدد کروں تو بندوں نے "اھدنا الصراط المستقیم" سے جواب دیا یا پھر "نستعین" میں بہت سے مقاصد شامل تھے، تو "اھدنا الصراط المستقیم" ذکر کرکے مقصد اعظم کا الگ تذکرہ کردیا۔

"الصراط المستقیم" تین راستے ہیں، افراط وتفریط، اور یہ دونوں شریعت کی نظر میں مذموم اور ناپسندیدہ ہیں اور تیسرا راستہ وسط اور درمیانی ہے۔ اور یہی راستہ ایسا ہے جو سیدھا ہے اور اللہ تعالیٰ تک پہونچنے والا ہے، اس جگہ بندہ اپنے پروردگار سے ایسے راستہ کا طالب ہے، جو اس کو جنت الفردوس میں پہونچانے والا ہو اور جس پر چل کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو سکے، اور وہ راستہ وہ ہے جسے قرآن کریم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اختیار کیا ہے۔ "وان هذا صراطى مستقيما فاتبعوه" (یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا اس کی پیروی کرو)۔

اس جگہ قرآن کریم نے "اھدنا" کی تعلیم دی "اھدنی" نہیں فرمایا، یہ اس وجہ سے کہ دعا جتنی عام ہوگی اتنی ہی زیادہ قبولیت کے قریب ہوگی اور اسمیں آپسی میل میلاپ اور محبت والفت اور بھائی چارگی کا اظہار ہوگا اور خود غرضی ونفس پرستی اور کبر وغرور کا خاتمہ ہوگا اس لئے کہ جب وہ بلا کسی غرض کے دوسرے کے لئے دعا کریگا تو لامحالہ اس کی زبان سے بھی دعائیہ کلمات اس کے حق میں نکلیں گے جس کی وجہ سے تعلقات استوار ہوں گے اور محبت میں اضافہ ہوگا، اور غائب کی دعا جو غائب کے لئے ہو اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ بارگاہ ایزدی میں بہت تیزی کے ساتھ شرف قبولیت سے نوازی جاتی ہے، ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا "ان اسرع الدعاء اجابة دعوة غائب لغائب" سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا وہ دعا ہوتی ہے جو غائب دوسرے غائب کے لئے کرے۔

(صراط الذین انعمت علیھم)

سیدھا راستہ ذکر کرنے کے بعد پھر مثال کے طور پر راستہ کو ذکر کیا یہ بتانے کے لئے کہ ہم ایسے راستے کی ہدایت و رہنمائی طلب کرتے ہیں، جس پر تیرا انعام و اکرام اور بخشائش اور رحمتوں کی بارش ہوتی ہے اور یہ راستہ وہ ہے جو انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام اور صدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے اور یہ راستہ وہ ہے جس کا ذکر خود قرآن کریم نے کیا ہے۔ اولئک الذین أنعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقاء۔

اس جگہ نعمت کا لفظ بول کر ہر طرح کی نعمت اسمیں شامل کر دی گئی خواہ دنیوی ہو یا اخروی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ و محبوب ہے اور جس سے وہ محبت کرتا ہے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائے اور اسی راستہ پر گامزن کرے۔

(غیر المغضوب علیھم ولا الضالین)

اس جگہ "مغضوب علیھم" اور "الضالین" سے کون لوگ مراد ہیں اس کی وضاحت نہیں کی گئی، البتہ قرآن کریم کی دوسری آیتوں اور احادیث شریفہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ "مغضوب علیھم" سے مراد یہود ہیں، جیسا کہ ان کے بارے میں فرمایا گیا۔ من لعنہ اللہ وغضب علیہ اور "الضالین" سے مراد نصاریٰ ہیں، انکے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا و ضلوا عن سواء السبیل۔

ترمذی شریف میں ایک حدیث شریف آئی ہے، جس میں حضور اقدس ؐ نے فرمایا "المغضوب علیھم" یہودی ہیں اور "الضالین" نصاریٰ ہیں، لیکن اس تفسیر المغضوب علیھم کا مطلب یہ نہیں کہ صرف یہ ہی دو فرقے مراد ہیں بلکہ ان دو فرقوں کا ذکر بطور نمونہ کیا ہے یہ بات واضح کرنے کے لئے کہ ان دونوں فرقوں کے کرتوتوں اور ہٹ دھرمیوں اور گمراہیوں کی وجہ سے یہ مورد لعنت و غضب اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کے مستحق ہوئے، اور ہمیشہ کے لئے ملعون اور گمراہ ٹھہرے، لہٰذا جو بھی ان کی راہ اپنائیگا وہ بھی بدبختی و محرومی اور لعنت و غضب اور گمراہی کے غار میں جا گرے گا۔ اللھم احفظنا

مولانا ابوالکلام آزاد "المغضوب علیھم ولا الضالین" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "صراط مستقیم کی پہچان صرف اس کے مثبت پہلو ہی سے واضح نہیں کی گئی بلکہ اس کا مخالف پہلو بھی واضح کر دیا گیا۔ "مغضوب علیہ" "منعم علیہ" کی بالکل ضد ہے کیونکہ انعام کی ضد غضب ہے اور فطرت کائنات کا قانون یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصہ میں انعام آتا ہے۔ نافرمانوں کے حصہ میں غضب۔ گمراہ وہ ہیں جو راہ حق نہ پاسکے اور اس کی جستجو میں بھٹک گئے ہیں۔ "مغضوب علیھم" وہ ہوئے جنہوں نے راہ پائی اور اس کی نعمتیں بھی پائی لیکن پھر اس سے منحرف ہوگئے اور نعمت کی راہ چھوڑ کر محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کرلی، اور گمراہ وہ ہوئے جو راہ ہی نہ پاسکے اس لئے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں اور صراط مستقیم کی سعادتوں سے محروم ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم اور توفیق سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچا، اس میں جو صحیح باتیں کہی گئی ہیں ان سے ہم سب کو فائدہ حاصل کرنے کی توفیق بخشے، اور جو غلط ہوں ان کو اپنی رحمت سے معاف کرے اور صحیح لکھنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور اس سورہ میں اللہ و بندے کے مابین جو عبد و معبود، عاجز و قادر، ذلیل و عزیز اور سائل و معطی کا تعلق ہے اور اسی طرح اس کے دربار عالی میں دعا و ابتہال، و عاجزی و بے کسی راہ حق کی طلب، راہ باطل سے حفاظت اور ہر عبادت میں مدد و نصرت اور "منعم علیھم" کے راستہ پر لگنے کی جو دعا ہے اسمیں ہم سب کو شامل فرمائے۔ اللھم احشرنا مع النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا وتوفنا مع الابرار۔

بقیہ صـ ۱۱ کا

نام سے اردو، ہندی، انگریزی اور دوسری زبانوں میں کثیر تعداد میں چھپوا کر پورے ملک میں پہنچایا۔ رسالہ میں اس موضوع کا علمی، دینی اور عقلی نقطۂ نظر سے مکمل طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔

لازمی نس بندی کے خلاف بورڈ نے جو واضح اور مضبوط موقف اختیار کیا، یقیناً اس اقدام سے ملت اسلامیہ ہندیہ کی تاریخ میں جرأت مندی، عزم و استقامت اور اظہار حق کی بہترین مثال قائم ہوئی اور مسلمانان ہند کو بروقت رہنمائی ملی جو بورڈ کا ایک اہم اور جرأت مندانہ کارنامہ ہے۔

(باقی آئندہ)

مسلم طلبہ کو وظائف

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی نے اعلیٰ نمبروں سے پاس ہونے والے مسلم طلبہ کو ۱۹۸۹-۹۰ء تعلیمی سال کے دوران وظیفے دینے کے لئے مقررہ فارموں کی ترسیل شروع کر دی ہے، یہ فارم، اسناد وغیرہ کی ضروری نقول کے ساتھ ۱۵ اکتوبر ۸۸ء تک سوسائٹی کے دفتر میں جمع کرائے جا سکتے ہیں۔ امیدوار کے لئے کم از کم دسواں درجہ پاس ہونا ضروری ہے سائنس مضامین کے حامل امیدواروں کو ترجیح دی جائے گی۔ فارموں کی جانچ کے بعد منتخب امیدواروں کو تحریری امتحان اور انٹرویو کے لئے سوسائٹی کے خرچ پر کم از کم دو دن کے لئے دسمبر ۸۸ء میں کسی وقت ہمدرد نگر، نئی دہلی بلایا جائے گا۔ یہ انتخاب "میرٹ" کی بنیاد پر ہوگا، لیکن اس خیال سے کہ ملک کی زیادہ سے زیادہ ریاستوں کے مسلم طلبہ کو وظیفہ اسکیم سے استفادے کا موقع ملے، جہاں ضرور ہوگا، بعض ریاستوں کے امیدواروں کے لئے نمبروں میں کچھ رعایت بھی روا رکھی جائے گی۔

جن مسلم طلبہ نے ہائی اسکول یا ہائر سکنڈری میں کم از کم ۸۰ فی صد ۲+۱۰ یا انٹر میں ۷۵ فی صد اور بی اے یا ایم اے میں کم از کم ۷۰ فی صد نمبر حاصل کئے ہیں، وہ وظیفہ کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ وظیفہ میٹرک پاس کے لئے = ۲۵۰/ روپئے ماہانہ، انٹر پاس کے لئے = ۳۵۰/ روپئے ماہانہ اور بی اے پاس کے لئے ۵۰۰/ روپئے ماہانہ مقرر کیا گیا ہے۔ صرف وہی امیدوار وظیفہ کے لئے فارم بھریں جن کی تعلیم کا سلسلہ کم از کم ۱۹۸۹-۹۰ء تعلیمی سال کے دوران بھی جاری رہے گا۔ دیگر تفاصیل، سکریٹری ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، ہمدرد نگر نئی دہلی ۶۲ کے نام خط بھیج کر حاصل کی جا سکتی ہیں۔

یاد رہے کہ ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی نے وظیفوں کا سلسلہ اپنے صدر جناب حکیم عبدالحمید صاحب کے ایماء پر تین سال قبل شروع کیا تھا اور تب سے اب تک ۶۰ طالب علموں کو یا تو ماہانہ وظیفے جاری ہو چکے ہیں یا پھر کتابوں کے لئے معقول رقوم کی یکمشت امداد دی جا چکی ہے، اور جہاں تک مصارف کا تعلق ہے، سوسائٹی وظیفوں کی مد میں اب تک ڈھائی لاکھ ۵۰ ہزار روپیوں سے زائد کی رقم خرچ کر چکی ہے۔

ریحان عباسی، برائے سکریٹری، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، نئی دہلی

ماہنامہ ذکر و فکر (دہلی)

کا خاص شمارہ

بیادگار بانیٔ حرمین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی

ستمبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہو جائے گا۔

رد عیسائیت، حضرت کیرانوی ؒ کے وقت میں ہندوستان کا علمی پس منظر مملکت برطانیہ کی سرپرستی میں کام کرنے والی عیسائی مشنری کا ایک تنہا عالم دین نے کس طرح مقابلہ کیا۔

علمی دستاویزیں، مولانا کیرانوی کے کارنامے، مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کا تعارف اور دوسرے علمی و تحقیقی انداز میں لکھے ہوئے مقالات پر مشتمل — یہ شمارہ اس سال کا علمی تحفہ ہوگا۔

قیمت — ۱۲ روپیہ علاوہ محصول ڈاک —

پتہ:

ZIKRO FIKR.

G-278/1. P.O. Jamia Nagar. Okhla. New Delhi. 110025.

ذاکر نگر، جی ۲۷۸/۱، اوکھلا، جامعہ نگر — دہلی

ندوہ کے شب و روز

ہر شام ہے شام مصر یہاں،
ہر شب ہے شب شیراز یہاں
ہے سارے جہاں کا سوز یہاں
اور سارے جہاں کا ساز یہاں

دو ماہ کی طویل تعطیل کے بعد ۱۱ر شوال کو دارالعلوم کھل گیا اور پھر سے علم و ادب کی سرگرمیاں شروع ہوگئیں شمع نبوت کے پروانے ہر طرف سے کھینچ کر آنے لگے، جذبہ بھی قدیم بھی ع

پروانے آہی جائینگے کھینچ کر بہ جبر عشق،
محفل میں صرف شمع جلانے کی دیر ہے

داخلے کی سرگرمیاں شروع ہوئیں، دفتری نظام میں گزشتہ سالوں کے مقابلہ کئی کاونٹر کھول کر آسانی پیدا کر دی گئی تھی بغیر کسی پریشانی کے گھنٹے بھر میں طالب علم اپنے داخلے سے فارغ ہو جاتا، اسی طرح کتب خانہ کا نظام کہ ادھر فارم دیا ادھر کتابیں نکل گئیں اور ۱۸ر شوال کو قافلۂ نوبہار نے اپنا علمی و ثقافتی سفر شروع کیا، درجوں میں باقاعدہ تعلیم ہونے لگی۔

سالہائے گزشتہ کی طرح

امسال بھی تعلیم شروع ہونے سے قبل تربیتی پروگرام ہوتے رہے مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی، مولانا شمس الحق صاحب ندوی، مولانا محمد عارف صاحب ندوی اور مولانا رضوان صاحب ندوی کی تقریریں بعد نماز مغرب کبھی مسجد میں کبھی سلیمانیہ کے وسیع ہال میں ہوئیں طلبہ بڑے شوق سے ان تقریروں کو سن کر اپنے گیسوئے علم و ادب کو تابدار کرنے اور گلزار ہستی میں پھلنے پھولنے کا درس حاصل کرتے اور زبان حال سے یہ کہتے ہوئے اٹھتے

"ہم عزم جواں ہر لحظہ رواں رکھتے ہیں ہمیشہ آگے قدم"

اس طرح یہ تربیتی سلسلہ ناظم دارالعلوم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی تقریر پر ختم ہوا، مولانا نے انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین کی روشنی میں طلبہ کو صبر و تقویٰ کے ساتھ کانٹوں میں کھیلنے اور شعلوں میں پلنے کی تعلیم دی۔

جمعیۃ الاصلاح

اسی طرح طلبہ کو اپنی محبوب انجمن جمعیۃ الاصلاح کی فکر ہوئی، یہ وہی انجمن ہے جو بلند پروازی و نغمہ گری سکھاتی ہے ذہن و قلب کو روشن اور زبان و قلم میں زور پیدا کرتی ہے۔

۶ر ذی الحجہ بعد نماز مغرب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں جمعیۃ الاصلاح کلاں کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا، جبکہ افتتاحی جلسہ سے قبل بزم خطابت کے دو پروگرام ہو چکے تھے جلسہ کا آغاز رکن الاصلاح محمد احسان صاحب کی قرأت سے ہوا، اسکے بعد ناظم الاصلاح آفتاب عالم صاحب نے اپنا مقالہ پیش کیا جسمیں انہوں نے ندوۃ العلماء کے تاریخی پس منظر اور اس کے اغراض و مقاصد کا جائزہ لیا اور الاصلاح کی افادیت پر روشنی ڈالی پھر حضرت مولانا نے زبان و ادب کی وسعت اور الاصلاح کی ضرورت و اہمیت اور زندگی سے اس کے تعلق کو ظاہر کیا اور طلبہ کو اس گلشن علم و ادب میں دامن دراز کرنے اور زبان و قلم میں زندگی پیدا کرنے پر ابھارا۔

اور اسی طرح مولانا رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں جمعیۃ الاصلاح خورد کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا مولانا نے بڑے ہی شستہ انداز میں طلبہ کو موقع سے فائدہ اٹھانے اور اپنی زندگی کو حسین سے حسین تر بنانے کی دعوت دی

النادی العربی

عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھانا دارالعلوم کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا لہٰذا جہاں طلبہ کو درجوں میں ادبی کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہے وہیں وہ مکتبۃ الرائد اور النادی العربی میں حصہ لیکر زبان و قلم کو شستہ و شگفتہ بناتے ہیں اور بے تکلف عربی بولنے کی مشق کرائی جاتی ہے

ذی الحجہ کا چاند طلوع ہوا، دارالعلوم نے تعطیل کا اعلان کیا ۸ر ذی الحجہ کو یہ مخزن و معدن خالی ہونے لگا اور یہ سچ ہے کہ مکان کی زینت مکیں سے اور رونق چمن گل و بلبل سے ہے یہ مرکز خالی کیا ہوا دل گھبرانے لگا، ہر طرف ایک سناٹا سا چھایا ہوا تھا لیکن.... زیادہ دیر تک نہیں اس لئے کہ یہ تعطیل خزاں لیکر نہیں بلکہ بہاروں کے ساتھ اور ابراہیم و اسمٰعیل ؑ کی یادوں کی بارات لیکر آئی تھی، یہ تعطیل ایک ہفتہ کی تھی طلبہ وقت پر آگئے اور تعلیم شروع ہو گئی

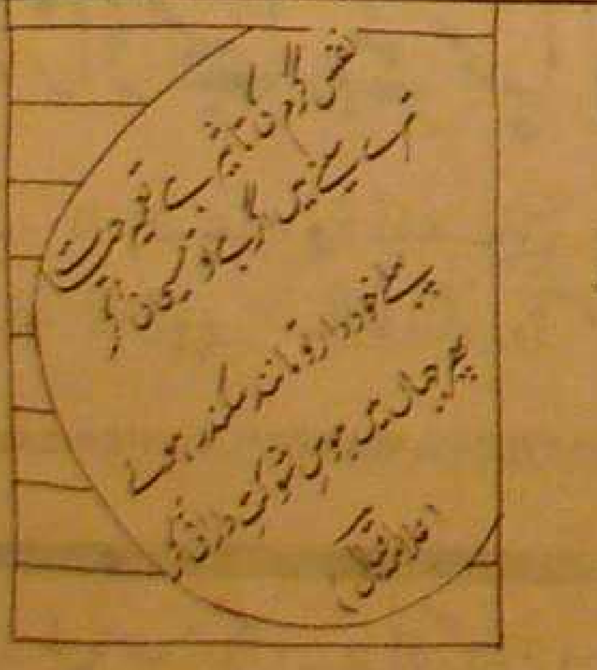

اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنیوالے مسلم طلبہ کی دینی تعلیم کیلئے

اوپن اسلامک اسکول لکھنؤ میں قائم

آج اسکول اور کالجوں میں پڑھنے والے مسلم طلبہ اور نوجوان اسلام کی بنیادی تعلیمات و ضروریات دین تک سے ناآشنا ہیں، ان کے لئے انجمن شباب اسلام نے لکھنؤ میں ایک "اوپن اسلامک اسکول" قائم کیا ہے جو ایسے طلبہ کی دینی تعلیم کے لئے قائم ہونیوالا اپنے طرز کا پہلا اوپن اسکول ہے

یاد رہے کہ انجمن شباب اسلام نے چند سال قبل اترپردیش میں مرکزی دارالقضاء (شرعی عدالت) کے قیام کے لئے زبردست اور طاقتور تحریک چلائی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تعاون سے لکھنؤ میں مرکزی دارالقضاء (شرعی عدالت) قائم کیا جہاں مسلمان اپنے عائلی مقدمات کو فیصل کرانے کے لئے برابر رجوع کر رہے ہیں اور دارالقضاء روز بروز ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔

آج اسکولوں اور کالجوں میں مسلم نوجوانوں کو جس طرح مختلف طریقوں سے الحاد و بے دینی کے راستہ پر ڈالا جا رہا ہے اور نصاب تعلیم کے ذریعہ مسلم نوجوانوں اور طلبہ کے ذہنوں کو جس طرح غیر اسلامی اور ملحد بنایا جا رہا ہے اس کے پیش نظر دینی تعلیم کے فروغ کی زبردست تحریک چلانے کی ضرورت ہے چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر انجمن شباب اسلام نے "جو مسلم نوجوانوں اور طلبہ کی فعال و سرگرم تنظیم ہے" اوپن اسلامک اسکول قائم کرنے کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی تاکہ مسلم نوجوان اسلامی تعلیمات اور ضروریات دین سے آگاہ ہو کر اپنے اسلامی تشخص اور ملی خصوصیات کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

اوپن اسلامک اسکول کا کورس پرائمری اسکول سے انٹر تک چار مرحلوں پر مشتمل ہے جس میں طالب علم کو قرآن مجید، حدیث نبوی، سیرت، تاریخ، اور فقہ سے متعلق مضامین پڑھنے ہوں گے۔ سر دست اوپن اسلامک اسکول نے کورس مقرر کر کے اس کے امتحان کا نظم کیا ہے اور میڈیم اردو، انگریزی، ہندی تینوں زبانوں میں رکھا گیا ہے جو طلبہ اس کے امتحانات دینا چاہیں گے وہ کورس کا مطالعہ از خود کریں گے اور ضرورت پر کسی مولوی یا امام مسجد کی مدد سے خود ہی تیاری کریں گے، بیرونی اضلاع کے طلبہ کیلئے ان کے علاقوں کے کسی دینی مدرسہ یا اسکول میں امتحان کے مرکز قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور کامیاب طلبہ کو سند تفویض کی جائے گی۔

اس مقصد کو بروئے کار لانے کیلئے ایک بورڈ کی تشکیل بھی عمل میں آچکی ہے جو "بورڈ آف اوپن اسلامک اسکول" کے نام سے موسوم ہے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ لکھنؤ یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے سربراہ و اساتذہ نیز شہر کے کالجوں کے پرنسپل حضرات پر مشتمل ہے۔

سالانہ امتحان میں شرکت کرنے کے لئے داخلے ۲۶ر اگست تک ہوں گے، مقررہ فارم دفتر انجمن شباب اسلام واقع 32/173 بی این ورما روڈ لکھنؤ سے یک روپیہ کا ٹکٹ بھیج کر مفت حاصل کئے جا سکتے ہیں

نوٹ: لکھنؤ میں محلہ مولوی گنج کی مسجد خواص میں ایک سہ روزہ کوچنگ کا بھی نظم کیا گیا ہے، جو طلبہ وہاں پہنچ سکتے ہوں اس کوچنگ میں داخلہ لے سکتے ہیں۔